وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

اظہار حق

بجواب

اعلان حق

تصنیف:

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ
استاد جامعہ محمدیہ ڈیرہ اسماعیل خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور
صراط مستقیم

تالیف

جامع المعقول والمنقول

مولانا مجیب الرحمن صاحب

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفِ چند)

مولانا مجیب الرحمن مدظلہ

اشاعت التوحید کے رہنما مولانا امیر عبداللہ صاحب نے ''اعلان حق'' کے نام سے انکار حیات النبی ﷺ پر اشکالات واعتراضات کو جمع کیا۔ مولانا مجیب الرحمن صاحب ڈیرہ اسماعیل خان نے ''اظہار حق بجواب اعلان حق'' کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ جو اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہے۔

(ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین وعلینا معھم برحمۃ الرحیم: امابعد:

مولوی امیر عبداللہ صاحب نے اعلان حق کے نام سے (جو حقیقت میں اعلان باطل ہے اور کتاب الہدی فی رداہل الھوی نہیں بلکہ کتاب الغوایہ فی رداہل الہدایہ ہے ۶۰ اور اب دوسرا ایڈیشن ۹۰) صفحاتی کتابچہ لکھ کر اپنے طور پر اپنے موقف کی وضاحت کرنا چاہی اور خود کو اصل دیوبندی اور اصل علماء دیوبند کو جعلی اور نقلی اور کئی قسم القاب دینا چاہے ہیں، قارئین کو بحث کے دوران اس کا مشاہدہ خوب ہوگا کہ مولوی امیر عبداللہ صاحب (ایسے ہی ان کے جماعتی مبلغین ومصنفین) حد سے بڑھ کر خیانت اور غلط بیانی کے ارتکاب میں ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے، اگلے صفحات کی بحثوں تک اس کی انتظار فرمائیں۔

نوٹ: یادرہے کہ مولوی صاحب باادب نہیں ہیں، ان کے رسالہ میں نبی کریم ﷺ کے لئے درود شریف اور بزرگوں کے لئے رحمۃ اللہ علیہ اور تعظیمی کلمات بہت ہی کم ملیں گے مثلاً رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی نہ مولانا، نہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، میں نے اکثر جگہ ان کے رسالہ کی عبارت کو اپنے حال پر باقی رکھتے ہوئے ذکر کئے ہیں، تعظیمی کلمات چھوڑ دیئے ہیں، البتہ جواب میں ضرور ذکر کئے ہیں۔

ابتدائی تمہیدی باتیں: مولوی صاحب کے رسالہ کی تقاریظ لکھنے والوں نے اہل حق کو کئی القاب سے نوازنے کی کوشش کی ہے مفتی عبدالحکیم صاحب وغیرہ لکھتے ہیں کہ مولوی امیر عبداللہ صاحب نے مسائل مختلفہ کو دلائل سے بیان کرکے احقاق حق اور ابطال باطل کیا ہے؟ (ص۱)

جواب: مولوی امیر عبداللہ نے جو عقائد لکھے ہیں فتاوی دارالعلوم دیوبند اور اکابرین علماء دیوبند کے عقائد اور تصریحات اس کے خلاف ہیں یعنی پھر علماء دیوبند اور فتاوی دارالعلوم دیوبند باطل ہے، ملاحظہ کریں:

مسلک دیوبند اور جمعیت اشاعت: (۱) مولوی صاحب تلقین بعد الدفن جائز نہیں مانتے کیونکہ سماع موتی کے قائل نہیں جب کہ فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے "تلقین بعد الدفن کو فقہاء نے جائز رکھا ہے۔" (ج ۵ ص ۳۹۲)

(۲) مولوی صاحب بمع جماعت روح کا جسم عنصری سے تعلق نہیں مانتے اور عذاب وثواب صرف روح کے لئے مانتے ہیں جب کہ علماء دیوبند کا فرتک کی روح کا جسم سے تعلق مانتے اور روح وجسم دونوں کو عذاب وخواب مانتے ہیں فتاوی دارالعلوم میں ہے "قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے۔ (ج ۵ ص ۴۲۶، ۴۲۷)

(۳) مولوی صاحب اور اس کی جماعت سماع موتی میں اختلاف نہیں مانتے بلکہ عدم سماع موتی پر اجماع مانتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی منکرین سماع میں شامل کرتے ہیں جب کہ فتاوی دارالعلوم میں ہے "سماع موتی میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے اور امام صاحب سے کوئی تصریح نقل نہیں۔ (ج ۵ ص ۴۶۱، تالیفات رشیدیہ ص ۲۳۳)

(۴) مولوی صاحب اور اس کی جماعت وسیلہ کی منکر اور اس کو شرک تک ٹھہراتی ہے جب کہ فتاوی دارالعلوم میں ہے "اور اس طرح دعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ ببرکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما۔ (ج ۵ ص ۴۳۱)

اگر ان بزرگوں کے ذریعہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لئے بھی دعاء کرے تو مضائقہ نہیں، حصن

حصین میں مذکور ہے کہ صالحین کے وسیلہ سے دعاء کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرما وے۔

(ج ۵ ص ۴۴۱، ۴۴۲)

نقلی علماء دیوبند: قاری حسین احمد نے دنیاوی جسم کے ساتھ حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے قائلین علماء دیوبند کو نقلی علماء دیوبند کہا ہے　　(ص ۲)

جس سے دار العلوم کے فضلاء اور متعلقین بھی نقلی علماء دیوبند میں سے ٹھہرتے ہیں تعجب ہے کہ اصلی علماء دیوبند کو یہ حضرت نقلی کہہ رہے ہیں ہاں مگر آج کل کا طریقہ کار ہی یہی چل چکا ہے کہ نقلی اہل سنت نے باوجود بدعات کے ارتکاب کے خود کو اصلی اہل سنت قرار دیا ہوا ہے اور دشمنان اہل بیت نے خود کو اصل محبان اہل بیت اور ہمیں دشمنان اہل بیت قرار دیا ہے اور لکھ رکھا ہے ''علی ! دشمن مرنین'' اور اصل اہل حدیث کو غیر مقلدین نے تارکین حدیث اور خود کو اہل حدیث قرار دیا ہے، آج کل ایک چیز بنانے والی اصل کمپنی بھی یہ لکھتی ہے کہ نقالوں سے ہوشیار رہیں اور نقال بھی چیز بنا کر لکھتے ہیں کہ نقالوں سے ہوشیار رہیں یہ انوکھی بات نہیں، زمانہ کا ایک فراڈ ہے، قارئین کو معلوم ہو جائے گا اور معلوم ہے کہ اصلی کون ہے اور نقلی کون ہے؟ حق پر کون اور باطل پر کون ہے؟

بذل المجہود کی عبارت پر گستاخانہ تبصرہ: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ''ایک رسالہ سرگودھا سے شائع ہو کر یہاں تقسیم ہوا جس میں لکھا ''یقیناً نبی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر رہیں یا پردہ میں ہوں، جیسے آپ دنیاوی زندگی میں حضور اور غائب ہونے میں زندہ تھے ایسے ہی قبر میں زندہ ہیں اور ہم سے غائب ہیں۔'' (علماء دیوبند اور حیات النبی ص ۷، اعلان حق ص ۶)

جواب: مولوی صاحب سے بڑا خائن شاید دنیا نہ دیکھے گی، مولوی صاحب سرگودھا کے علماء دیوبند کی اس عبارت پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ بات نہیں بتاتے کہ سرگودھا والوں نے کس کی عبارت نقل کی ہے اور واقعی اس بزرگ کی یہ عبارت ہے بھی یا ان کے ذمہ لگائی گئی؟ یہ عبارت تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ علی ان نبی اللہ ﷺ حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم و لا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابھا کما لا فرق فی حضورہ و غیبتہ فی زمان حیاتہ۔ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷ باب التشھد) علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ دوسرے انبیاء کرامؑ بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ نبی زمین کے اوپر ہو یا اس کے پردہ کے نیچے ہو جیسے آپ ﷺ کے زمانہ حیات میں آپ ﷺ کے موجود اور غائب ہونے میں فرق نہ تھا۔''

اگر یہ عقیدہ غلط ہے تو مولوی صاحب سرگودھا والوں کے بجائے حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ پر تبصرہ کریں اور اگر عبارت سے کوئی غلط مطلب نکلنے کا خطرہ ہے تو صحیح توجیہہ کر لیں یہ کونسی دیانت داری ہے کہ تنقید قائل کے بجائے ناقل پر کی جائے؟

المہند کی حقیقت: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ''المہند نام سے ایک کتاب کو علماء دیوبند کا عقیدہ قرار دیا، حالانکہ مولانا خلیل احمد نے خط لکھا تھا پتہ نہیں کس نے چھاپا، حضرت نے تو اپنی زندگی تک اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔'' (ص ۶)

جواب: اگر اس کا اظہار نہیں کیا تھا تو اس کے خط ہونے کا علم جناب کو کیسے ہو گیا؟ پھر یہ کھلا جھوٹ ہے کہ انہوں نے زندگی تک اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حالانکہ بذل المجہود انہوں نے زندگی میں لکھی اور اس کے اختتام پر مدینہ

طیبہ میں بڑی دعوت کی، ان کی زندگی میں اس پر تقریظ لکھنے والوں میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں وہ لکھتے ہیں:
"وللمؤلف دام مجدة وعلاه تصانيف عديدة في مهمات المسائل فمنها المهند على المفند ذكر فيها معتقداته ومعتقدات مشائخه الكرام" (مقدمہ بذل المجہود ج ۱ ص ۳۹) بذل المجہود کے مؤلف دام مجدہ کی اہم مسائل میں متعدد تصانیف ہیں، ان میں سے المہند علی المفند بھی ہے جس میں اپنے عقائد اور اپنے مشائخ کرام کے عقائد ذکر فرمائے ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ میں حضرت سہارن پوری کے لئے لفظ دام مجدہ آئے ہیں اور یہ زندہ بزرگ کے لئے بولے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ اور یہ الفاظ حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں لکھے ہیں اور معلوم ہوا کہ المہند حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں چھپی تھی اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پڑھا تھا، تو کیا مولوی صاحب نے حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ زندگی گزاری ہے جو کہتے ہیں کہ انہوں نے زندگی میں اس کا اظہار نہیں کیا تھا؟ ایسے ہی مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی المہند کا ذکر کرتے ہیں، (مقدمہ بذل المجہود ج ۱ ص ۱۷) فتاوی خلیلیہ مطبوعہ ہے، اس میں بھی المہند درج ہے، میں نہ مانوں کا کوئی علاج نہیں۔

کہتے ہیں کہ (المہند پر) جن حضرات کے دستخط ہیں ان کی اپنی کتابیں اس کے خلاف ہیں اس میں لکھا ہے حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ لا برزخیۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دنیویہ ہے برزخی نہیں ہے، جیسے مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مایہ ناز فتاوی کفایت المفتی ص ۶۸ میں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی برزخی ہے دنیاوی نہیں۔ (ص ۶)

<u>جواب</u>: حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں زندہ مانتے ہیں یعنی جسم اطہر میں زندگی مانتے ہیں اور قبر کے اندرون کا تعلق برزخ سے ہے، اس لئے اس کو برزخی کہتے ہیں اور چونکہ جسم عنصری دنیاوی میں بھی حیات ہے اس لئے علماء اس کو دنیاوی بھی کہہ دیتے ہیں مگر دنیاوی برزخی کے خلاف نہیں، اس لئے یہ کہنا عقل کی خرابی ہے کہ مفتی صاحب فتاوی میں کہتے ہیں دنیاوی نہیں اور المہند میں ہے دنیاوی ہے برزخی نہیں، اس کا تو مطلب یہ ہے کہ صرف برزخی یعنی صرف روحانی نہیں ہے دنیاوی یعنی جسمانی بھی ہے تو دونوں باتوں میں نہ تضاد ہے نہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں، یہ ان لوگوں کے دماغ کا تضاد ہے۔

اور جدید ایڈیشن میں لکھتے ہیں: "اس کتاب پر عرب کے علماء کے دستخط اور مہریں ہیں ان میں تاریخ جو مہر پر ہے ۱۳۲۵ھ سے پہلے کی ہے کیا انہوں نے کتاب لکھنے سے پہلے دستخط اور مہریں لگا دی تھیں؟ (اعلان حق دوم ص ۷۲)

<u>جواب</u>: نہیں جناب کتاب لکھے جانے سے پہلے مہریں لگائیں نہیں تھیں ہاں کتاب لکھے جانے سے پہلے مہریں بنائی تھیں اور اس وقت اکابرین مہریں بناتے وقت کی تاریخ لکھ دیا کرتے تھے تو وہ تاریخ مہریں بنانے کی ہے مہریں لگانے کی نہیں ہے، اگر آپ کو پھر بھی تسلی نہ ہو تو آپ کو یقین ہوگا کہ حضرت تھانوی کی کتاب حیلہ ناجزہ انہی کی ہے اور معتبر کتاب ہے اور جن حضرات نے تقریظات لکھیں وہ تقریظات بھی نقلی نہیں ہیں اس میں تقریظات کی مہریں ملاحظہ کریں تو کتاب لکھے جانے سے پہلے کی تاریخیں لکھی موجود ہیں، تو فرمائیں کہ وہ کتاب اور تقریظات جعلی ہوگئیں؟ ہرگز نہیں، تو مہروں کی تاریخ مقدم ہونے سے کتاب غیر معتبر ہوتا ثابت نہ کیجیے جناب! کہتے ہیں کہ اگر یقین نہ آئے تو آج عرب علماء کے پاس المہند بھیج دیں۔ (اور وہ اس کی تصدیق کر دیں)

<u>جواب</u>: یہ ہے کہ جن علماء نے تقریظات لکھی تھیں اگر وہ آج زندہ ہوتے اور تقریظات کی تکذیب کرتے تب تو یہ بات درست ہوتی، آج کے علماء کی تقریظات تو نہیں کہ ان سے تصدیق کرائیں، یہ تو آپ نے رضاخانیوں

والی بات کی ہے، آج وہاں غیر مقلدوں کا تسلط ہے تو وہ اس بارے میں آپ کے ہم خیال ہیں وہ کیسے تصدیق کر دیں گے؟ انہی غیر مقلدوں سلفی کہلانے والوں کا فتاوی بلد الحرام بھی آپ لئے پھرتے ہیں۔

منشا اختلاف اور علماء دیوبند پر الزامات: مولوی صاحب نے باب اول کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت منشا اختلاف بیان کیا ہے کہ علماء دیوبند سے ہمارا کن باتوں میں اختلاف ہے؟

عقیدہ اور اس کا ثبوت: کہتے ہیں ہم وہ عقیدہ تسلیم نہیں کرتے جس کا ثبوت قرآن یا حدیث متواتر سے نہ ہو، ہمارے مخالفین اپنا عقیدہ ضعیف روایتوں سے، پمفلٹوں رسالوں سے ثابت کرتے ہیں۔ (اعلان حق ص ۷)

مولوی صاحب کی اس بات پر اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ بہت سے عقائد وہ بھی ہیں جو قرآن مجید کی نصوص قطعی الدلالت سے یا کسی ایک حدیث متواتر سے ثابت نہیں تاہم وہ عقائد بھی ہیں جیسے ہم اہل سنت کے عقیدہ کا مسئلہ ہے کہ (۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں پھر حضرت عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اور (۲) نبی کریم ﷺ سب انبیاء علیہم السلام سے مرتبہ میں افضل ہیں اور (۳) نبی کریم ﷺ کا جسم اطہر قبر مبارک میں صحیح سلامت اور محفوظ ہے (۴) اور ایصال ثواب کرنے سے مسلمان مردوں کو ثواب پہنچتا ہے (۵) نماز وتر کے واجب سمجھنے کا عقیدہ (۶) بیت المقدس سے آگے معراج نبوی کا عقیدہ (۷) سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں (۸) موزوں پر مسح جائز ہونے کا عقیدہ وغیرہ ان عقائد میں سے ہر عقیدہ کے بارے میں کوئی ایک حدیث متواتر پیش نہیں کی جاسکتی بلکہ کئی اخبار آحاد مل کر تواتر بقدر مشترک یا تواتر معنوی کے ساتھ متواتر بنتی ہیں یا کہیں تو متواتر بتواتر قدر مشترک بھی نہیں بلکہ آحاد ہیں، ایسے ہی عقیدہ حیات النبی کے لئے بھی کوئی ایک حدیث متواتر نہیں پیش ہوسکتی مگر اس بارے میں مروی متعدد اخبار آحاد تواتر قدر مشترک کے ساتھ متواتر ہیں، جیسے ان عقائد کا انکار فسق اور گمراہی ہے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار بھی فسق و بدعت اور گمراہی ہے، ایسے ہی (۹) قرآن مجید اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق علیین اور سجین اعمال ناموں کی جگہیں ہیں مگر تم لوگوں کا بھی عقیدہ ہے کہ انبیاء اور مسلمانوں کی روحیں مرنے کے بعد علیین میں رہتی ہیں اس کے بارے میں اخبار آحاد اتنی بھی نہیں جو تواتر قدر مشترک تک پہنچیں مگر تم لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جیسے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”فان الفرض کما یثبت بالقطعی کذالک یثبت بالظنی حتی بالقیاس ایضا فیجوز للمجتهد ان یقول ان هذا الجزء مثل هذا لجزء المنصوص عندی فیکون فرضا مثله الا ان الفرق بین الفرضین ان الفرض الثابت من القاطع یکون قطعیا و الثابت بالقیاس او بظنی اخر یکون ظنیا“ (فیض الباری ج ۳ ص ۱۴۴ کتاب الوصایا، باب قول اللہ عزوجل ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما) جان لیں کہ بعض ذہنوں کی طرف یہ بات گئی کہ فرض صرف دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں) کیونکہ فرض جیسے قطعی سے ثابت ہوتا ہے ایسے ہی ظنی سے حتی کہ قیاس سے بھی ثابت ہوتا ہے تو مجتہد کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ میرے نزدیک یہ جزء اس جزء کی مثل ہے تو وہ بھی اس کی طرح فرض ہوگا، مگر دونوں فرضوں میں فرق یہ ہوگا کہ دلیل قطعی سے ثابت قطعی ہوگا اور قیاس یا ظنی سے ثابت ظنی ہوگا۔

تو جیسے فرض کی دو قسمیں ہیں قطعی اور ظنی ایسے ہی عقیدہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عقیدہ قطعیہ (۲) عقیدہ ظنیہ۔ قطعیہ دلائل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور ظنیہ کے لیے دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں علیکمیں (نبراس مع شرح العقائد ص ۲۹۲، ۲۹۵، بحث معراج من الارض الی السماء، ص ۳۰۱ بحث تفضیل خلفاء راشدین، ص ۳۵۸ بحث تفضیل بین الملائکۃ وعامۃ البشر، نبراس ص ۲۸۲، بحث الظن فی باب الاعتقادیات)

عقیدہ قطعیہ کا منکر کافر ہوتا ہے اور عقیدہ ظنیہ کا منکر کافر تو نہیں ہوتا مگر گمراہ ٹھہرتا ہے، ہاں بعض ظنی عقائد ایسے بھی ہیں جن کے دونوں جانب حق ہیں اور راجح مرجوح کا فرق ہونے کی وجہ سے گمراہی کا فتوی بھی نہیں لگ سکتا جیسے عام مردوں کے سننے نہ سننے کا عقیدہ کہ یہ ایسا نہیں ہے کہ مثبتین سماع نافیین کو یا نافیین سماع مثبتین کو کافر یا گمراہ کہہ سکیں۔ مگر آج افراط وتفریط کا شکار ہو کر اس قسم کے مسئلہ میں بھی اشاعتی سماع موتی کے قائلین پر فتوے لگاتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے، یہی ہمارے اکابر کا نظریہ ہے جس کو ہم آگے ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ!

(دیکھیں جمال قاسمی، تفسیر معارف القرآن، فتاوی دارالعلوم دیوبند وغیرہ)

لیکن جب مولوی امیر عبداللہ صاحب دلیل ظنی سے ثابت عقیدہ نہیں مانتے تو کیا نبی کریم ﷺ کی سب انبیاء سے افضلیت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سب صحابہ سے افضلیت اور وتر کے وجوب وغیرہ جیسے عقائد کے جناب والا منکر ہیں؟ اگر ہاں تو ذرا کھل کر اظہار فرمائیں چھپے چھپے نہ رہیں عوام میں برملا اس قسم کے عقائد کی نفی فرمائیں؟ اور اگر قائل ہیں تو ہر ایک پر کونسی آیت قطعی الدلالت یا حدیث متواتر رکھتے ہیں؟

<u>امت کا اجماع</u>: کہتے ہیں کہ ہم اجماع کو حجت مانتے ہیں لیکن امت کا اجماع قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوسکتا، ہمارے مخالفین صرف علاقہ کے اکثر لوگوں کے عقائد کا نام اجماع رکھ دیتے ہیں۔　(ص ۷)

<u>جواب</u>: ہم اپنے عقیدہ حیات النبی ﷺ اور سماع النبی عند القبر پر اجماع مانتے ہیں اور عذاب قبر کے روح وجسم دونوں کو ہونے پر اجماع اور اس کے مخالف کو شاذ اور بدعتی قرار دیتے ہیں۔

(۱) مولانا نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے (حیات الاموات ص ۹۰) بایں ہمہ قبر شریف میں آپ ﷺ کی جسمانی زندگی کا انکار نہیں کیا جا سکتا تمام اہل حق اور جمیع ائمہ دین مزار پر انوار میں حیات النبی ﷺ کے قائل ومثبت ہیں۔　(ص ۱۱۶)

(۲) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کا بھی یہی اعتقاد تھا۔　(خطبات میلاد النبی ﷺ ص ۲۷۳)

اور فرماتے ہیں: "روضہ مبارکہ پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلا واسطہ حضور ﷺ پر پیش ہوتا ہے اور آپ ﷺ اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں۔　(امداد الفتاوی ج ۵ ص ۱۱۰، ۱۱۲، تسکین الصدور ص ۴۳)

(۳) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں حکم ہو تو آسکتے ہیں اور (دور سے) صلاۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔" (براہین قاطعہ ۲۰۳، ۲۰۴ طبع دار الاشاعت)

(۴) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مع انه لم يقل احد ان ارواحهم غير متعلقة باجسامهم" (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۰۰۴) کوئی اہل حق اس کا قائل نہیں ہوا ہے کہ ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے تعلق نہیں ہے۔

تو یہ حضرات اتفاق اور اجماع نقل کر رہے ہیں اور اجماع نام ہے اختلاف نہ ہونے کا، جناب کسی ایک مسلم بزرگ سے قبر میں نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کا مردہ ہونا اور روح مبارکہ کا تعلق نہ ہونا اور قبر شریف کے پاس کا درود وسلام نہ سننا ثابت کیجئے (چیلنج ہے) تب ہی یہ اجماع ٹوٹے گا، یہ علاقہ کے لوگوں کا اجماع نہیں جمعیت اشاعت کی پیدائش سے پہلے کے پوری دنیا کے سلفاً وخلفاً مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور یہ اجماع واقعی قرآن وسنت کے خلاف نہیں کیونکہ قرآن وسنت کے خلاف اجماع نہیں ہوسکتا۔ ہاں! جناب کی من مانی تفسیر وتشریح کے

خلاف ہوسکتا ہے، اس کو قرآن وسنت کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔

قبر دنیاوی اور برزخی زندگی: کہتے ہیں ہم پیغمبر علیہ السلام کی دنیوی زندگی تقریباً تریسٹھ (۶۳) سال مانتے ہیں اس کے بعد صرف برزخی زندگی کے قائل ہیں، جو دنیا کی زندگی سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے مخالفین آج تک دنیوی یا دنیا کی سی زندگی مانتے ہیں۔ (ص ۷)

جواب: مولوی صاحب اور سب مماتیوں نے دنیوی یا دنیا کی سی کی غلط تعبیر ہمارے ذمہ لگا کر بہت بڑی غلط بیانی کی ہے جس کو یہ دنیوی کہہ رہے ہیں ہمارے سب اکابرین اور سب مسلمان اس کے منکر ہیں، وہ تو قبر کے اندر دنیا والے جسم عنصری کی زندگی ہونے کی وجہ سے دنیوی کہہ دیتے ہیں نہ یہ کہ اب ویسی دنیوی حیات ہے جیسے آپ ﷺ ۶۳ سال والی گزار گئے، یہ طریقہ واردات اہل بدعت کا ہے کہ ہمارے اکابرین کے خلاف ان کی عبارات کے غلط معانی ومفاہیم گھڑ کر گستاخ رسول وغیرہ مختلف فتوے لگاتے ہیں ان اہل بدعت کی مخالفت کرنے کے باوجود انہی کا طریقہ مماتی برادری نے سیکھ کر اہل حق کی عبارات کا غلط مفہوم لے کر طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ آمین!

نبی کریم کی روح وجسم عنصری دونوں جنت میں ہیں: (۳) کہتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کی روح پاک کو اعلیٰ علیین اور جنت الماوی میں مانتے ہیں ہمارے مخالفین نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو جنت میں نہیں مانتے مدینہ شریف والی قبر مبارک میں مانتے ہیں۔ (ص ۷)

جواب: یہ بھی غلط بیانی ہے ہم نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کو اعلیٰ علیین اور جنت میں مانتے ہیں (جب کہ جسم اطہر سے روح پاک کا تعلق مانتے ہیں) اور اس کے ساتھ جسم عنصری کو بھی جنت میں مانتے ہیں جب کہ مولوی صاحب بمع جماعت کے جسم اطہر کو جنت میں نہیں مانتے اور روضہ مبارکہ کو روضۃ من ریاض الجنۃ نہیں مانتے ہیں محض مٹی کا گڑھا ٹھہراتے ہیں۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہی نزدیک سے درود وسلام سنتے ہیں مگر جواب کامل مسلمان کو ملتا ہے

(۴) کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے پیغمبر ﷺ پر پڑھا جانے والا درود شریف جب اللہ چاہے جس کا چاہے سنا دے۔ ہمارے مخالفین کہتے ہیں جو شخص (خواہ شیعہ ہو یا مرزائی سنی ہو کوئی بھی ہو) قبر کے نزدیک درود پڑھتا ہے آپ ﷺ اس کا درود شریف سنتے ہیں جواب بھی دیتے ہیں خواہ اللہ چاہے یا نہ چاہے۔ (ص ۸،۷)

جواب: سب اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قریب سے ہر ایک کا سنتے ہیں مگر سننا کوئی عیب نہیں کہ شیعہ یا مرزائی خبیث کا نہ سنیں اور مسلمانوں کا ہی سنیں، ہاں جواب صرف صحیح العقیدہ مسلمان کو ملتا ہے، ہر کسی کو نہیں ملتا اور اللہ ہی سناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سنائے بغیر تو زندہ بھی نہیں سنتے مگر اللہ کا نام لے کر جناب کا مقصد اچھا نہیں ہوتا بلکہ کلمۃ حق ارید بہا الباطل والی بات ہوتی ہے۔

مؤمنین موتی سنتے ہیں: (۵) کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے جو شخص اس جہان سے چلا جائے (خواہ نبی یا ولی کیوں نہ ہو) اس کو اس جہان کی باتوں کا علم نہیں ہوتا ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہیے اور بتا دے تو اور بات ہے۔ ہمارے مخالفین کہتے ہیں ہر مردہ (خواہ کافر بھی ہو) قبر پر گزرنے والے کو پہچانتا ہے اور قبر پر سلام کرنے والے کا سلام سن کر جواب بھی دیتا ہے۔ (ص ۸)

جواب: ہمارے نزدیک سلام سننا جواب دینا پہچاننا مسلمان کے حق میں ہے کافر کے حق میں سننا وغیرہ

مسکوت عنہ ہے، اس بارے میں کوئی نص نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے ہمیں معلوم نہیں، استاذ مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی بات نواب صدیق حسن خان غیر مقلد سے نقل کی ہے اور اس کی تائید کی نہ تردید بلکہ فرمایا" بقول نواب صاحب میت کو زائر کے سلام وغیرہ کا ادراک وشعور ہوجاتا ہے اور اس صفت میں مؤمن وکافر سب برابر ہیں کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔"

اس قول سے استاذ مکرم رحمۃ اللہ علیہ محض غیر مقلدین پر اتمام حجت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں، اس تحقیق کے ہوتے ہوئے ایک غیر ذمہ دار غیر مقلد بھائی کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ الخ!　　(تسکین الصدور ص ۲۱۰،۲۰۹)

بہر حال یہ حال مسلمان کا تو۔ ہے کافر کے متعلق یقینی علم نہیں ہے نہ کچھ کہا جاسکتا ہے، اگر کافر بھی سلام سن لیتے ہوں تو اس سننے سے کافر کو کوئی اعزاز حاصل نہ ہوجائے گا کہ انکار کرنے کی ضرورت ہو مگر کافر کو سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا منع ہے، واقعہ قلیب بدر کے سوا کافر کے سننے کے بارے میں کوئی صریح نص نظر سے نہیں گزری۔ واللہ اعلم!

حضور ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہونا سب اکابر دیوبند کا عقیدہ ہے اس کو علم غیب کہنا جہالت ہے: (۶) کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے حضور اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں اس لئے امت کے تمام اعمال آپ پر پیش نہیں ہوتے، ہمارے مخالفین کہتے ہیں امت کے تمام اعمال حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔　　(ص ۸)

جواب: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب عالم الغیب کا معنی بھی نہیں جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اگر امت کے اعمال حضور ﷺ پر پیش ہوں تو آپ ﷺ عالم الغیب ہوجائیں گے، حالاں کہ عالم الغیب اس کو نہیں کہتے جس کو اللہ تعالیٰ بتائیں یہی غلطی مولوی صاحب کررہے ہیں یہ توحید وسنت کے مبلغ ہیں مگر توحید وشرک کی تعریف نہیں آتی، امت کے اعمال پیش ہونے کا عقیدہ سب علماء دیوبند کا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۲ کتاب المغازی) اور علامہ آلوسی (روح المعانی ج ۱۴ ص ۲۱۳) علامہ عبدالرؤف مناوی (شرح الشمائل ج ۲ ص ۲۷۹) حضرت مفتی محمد شفیع (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۲۱) اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (تفسیر عثمانی ۳۵۸ نحل: ۸۹) اور مولانا خلیل احمد سہارن پوری (براہین قاطعہ ص ۲۰۴) حضرت تھانوی (خطبات میلاد النبی ﷺ ص ۲۹۸، ۴۰۸) (رحمہم اللہ) وغیرہم سب حضرات کی خدمت میں امت کے اعمال پیش ہونے کے قائل ہیں یہ سب مولوی صاحب کے مخالفین ہیں اور ان کے بقول نبی کریم ﷺ کو عالم الغیب کہنے والے اور مشرک ہیں۔ (معاذ اللہ)

حضور ﷺ کی خدمت میں شفاعت کی درخواست کرنا ایسے ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے حضور ﷺ کی خدمت میں درخواست شفاعت کرنا سب اہل حق کے نزدیک جائز ہے: (۷) کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے فوت شدہ بزرگوں کو سفارشی بنا کر پکارنا ناجائز ہے، ہمارے مخالفین کہتے ہیں فوت شدہ بزرگ ہمارا وسیلہ ہیں۔　　(ص ۸)

جواب: ہمارے سب مسلم بزرگ اور فقہاء احناف حضور ﷺ کی خدمت میں شفاعت کی درخواست کرنے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سفارشی بننے کی درخواست کرنے کے قائل ہیں اور ان کا وسیلہ پیش کرکے دعاء کرنے کے صرف قائل ہی نہیں مصر ہیں۔ (دیکھیں علامہ ابن الہمام، فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۸، فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۲۸۲، علامہ بحر العلوم رسائل الارکان ص ۲۸۱، علامہ شرنبلالی نور الایضاح ص ۱۹۱، مراقی الفلاح ص ۱۹۳، علامہ عبدالرحمن آفندی مجمع الانہار ج ۱ ص ۳۱۳، (بحوالہ تسکین الصدور) امام نووی الاذکار ص ۲۰۸، امام مالک بسند جید، الشفاء ج ۲ ص ۴۱، علامہ احمد خفاجی نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸، ملاعلی قاری شرح شفاء ج ۳ ص ۳۹۸، مولانا عبدالقادر فاکہی مکی حسن التوسل ص ۱۴۴، حضرت گنگوہی زبدۃ المناسک، تالیفات رشیدیہ ۱۳۴، ۶۵۰ وغیرہم رحمہم اللہ) اکیلے آپ لوگوں کے منکر ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

جسم اطہر سلامت بھی ہے اور جسم اطہر میں زندگی بھی ہے: کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کی گستاخی کو ہم کفر سمجھتے ہیں؟

جواب: مگر جو فضیلت ثابت ہو اسکو نہ ماننا بھی گستاخی ہے کیونکہ یہ فضیلت اور شان کو گھٹاتا ہے تو جسم عنصری کی زندگی اور سماع عند القبر کی فضیلت کا انکار بھی یقیناً گستاخی ہے گو کفر کے درجہ کی نہ ہو۔

کہتے ہیں، جو شخص قبر اقدس میں جسم مبارک کو صحیح سالم نہیں سمجھتا ہم اس کو گستاخ سمجھتے ہیں۔

جواب: لیکن جو جسم اطہر کو برزخی زندگی کے ساتھ زندہ نہیں سمجھتا اس کو بھی گستاخ سمجھو، پھر (اگر چہ ہم اس کے قائل ہیں مگر تم اپنی منطق کے مطابق) یہ بھی بتاؤ کہ نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کے صحیح سلامت رہنے کا ثبوت کس حدیث متواتر میں ہے؟

جمعیت اشاعت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ: کہتے ہیں ہمارا وہی عقیدہ ہے جس عقیدہ کے ساتھ صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ کو دفن کیا، اب تک آپ اسی حالت میں موجود ہیں الآن کما وضع، جو شخص اس میں کمی بیشی کرتا ہے وہ گستاخ ہے۔ (ص ۸)

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دنیا کے اعتبار سے وفات یافتہ سمجھ کر دفن کیا اور اس دنیا کی زندگی سے وفات پانا ہر مسلمان مانتا ہے، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفن کے بعد قبر اطہر میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ مانتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عمر کا خطابانہ سلام عرض کرنا اور بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کا بارش کی دعا کی درخواست کرنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم بمع خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کی تائید کرنا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حیاء کرنا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا شہداء کو سلام کرنا اور سلام کے جواب دینے کو ماننا صحیح احادیث سے ثابت ہے، مگر جناب صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدہ سے ہٹے ہوئے گستاخ ہیں ہدایہ میں الآن کما وضع جسم کے صحیح سلامت ہونے کے متعلق ہے روح کے جسم سے تعلق ہونے نہ ہونے کی کچھ بحث نہیں۔

کون کافر؟ کہتے ہیں اور جو شخص آپ ﷺ کو قبر مبارک میں پتھر یا پتھر کی طرح سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ (ص ۸)

یعنی کیا پھر آپ کافر ہیں جو نبی کریم ﷺ کو قبر اطہر میں پتھر کی طرح جماد بے جان سمجھتے ہیں؟ خوب فتوی دیا جناب نے سبحان اللہ۔

کیا عقیدہ حیات اور سماع شرک ہے؟ کہتے ہیں اکابرین علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہم کے مجموعی مسلک سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے، جس مسئلہ کی تعبیر میں اگر ان میں کوئی اختلاف ہوا ہے تو ہم مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا حسین علی اور مفتی عزیز الرحمان، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مفتی کفایت اللہ، کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں ہمارا اختلاف صرف معاصرین سے ہے جو دیوبند کے روپ میں شرک و بدعت پھیلانا چاہتے ہیں اور اکابرین علماء دیوبند کو بدنام کرتے ہیں۔ (ص ۹)

جواب: عملی طور پر آپ کا کوئی معاصر بدعت عملی کرے تو چاہے دیوبندی کہلائے اس سے ہمیں بھی اختلاف ہے مگر عقیدہ حیات اور سماع عند القبر کو آپ شرک نہیں کہہ سکتے، آپ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ ماننا اللہ تعالیٰ کی صفت حیّ میں شرک ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لئے جو صفت حی استعمال ہوئی اس کا اردو میں آسان ترجمہ زندہ سے کیا جاسکتا تھا اس لئے زندہ سے ترجمہ کر دیا گیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے حیّ کا معنی ہمیشہ رہنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر غیر اللہ کو زندہ ماننا شرک ہے تو آج سے ہم عقیدہ رکھیں کہ مماتی لوگ چلتے پھرتے مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور نزدیک

سے سننے کو آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع میں شرک کہتے ہیں حالانکہ صفت سمیع کا مطلب تو ہے بغیر کانوں کی محتاجی کے ہر وقت ہر ایک کی ہر بات کو سننے والا، اگر قریب سے سننے کو ماننا شرک ہے تو آج سے ہم عقیدہ رکھیں کہ مماتی لوگ کانوں اور کانوں کے اندر قوت سماع کے باوجود بہرے ہیں، مولوی صاحب نے جن اکابر کی تصریحات کو ترجیح دینے کی بات کی ہے ان میں سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات مسئلہ وسیلہ اور سماع نبی عند القبر اور قبر مبارک کے پاس شفاعت کی درخواست کرنا اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بھی سفارش کرنے کی درخواست کرنا وغیرہ مسائل و عقائد میں مماتیت کے خلاف ہیں صرف عام مردوں کے عدم سماع کو انہوں نے راجح ٹھہرایا مگر سماع کو بھی مذہب قوی قرار دیا، تو اس مسئلہ میں بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی آدھی بات مماتی لیتے ہیں اور آدھی سے آنکھیں اور کان بند کر دیتے ہیں، دوسرے اکابرین میں سے بھی اکثر حضرات کی کئی آدھی تصریحات لیتے ہیں اور کئی عبارات خلاف مطلب ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔

<u>امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں غلطیوں کا جواب</u>: مولوی صاحب نے دوسرے باب کے عنوان کے تحت استاذ مکرم مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارات پر گرفت کی ہے۔

<u>نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ماننے کا طعن</u>: (۱) سماع موتی ص ۳۶ میں سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”روضے پر حاضر ہونے والا ادب خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے اور ہیبت کے مقام پر اپنی نگاہ کو نیچی رکھے جیسا کہ آپ کے سامنے زندگی میں کرتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس بات کو ذہن میں حاضر رکھے کہ آپ آنے والے کے اپنے ساتھ کھڑا ہونے اور اس کے سلام کو سنتے ہیں، جیسا کہ آپ کی زندگی کی حالت میں تھا اس لئے آپ کی موت وحیات میں اپنی امت کے مشاہدہ اور ان کے احوال و نیات و عزائم اور خیالات کو پہچاننے میں کوئی فرق نہیں اور یہ بات آپ کی بالکل روشن اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی خفا نہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اطلاع دیتا ہے۔“

ناظرین کرام! محض اللہ کے واسطے مندرجہ بالا عبارت کو بار بار پڑھیں۔ یقیناً آپ اس بات پر پہنچ جائیں گے کہ پیغمبر علیہ السلام کو امت کے تمام حالات نیات کا علم ہے۔

علماء دیوبند کے اکابرین میں سے ذرا نشان دہی کریں کہ کس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالات و نیات کو جانتے ہیں یعنی عالم الغیب ہیں۔ اگر اس سے مراد کوئی اور تاویل ہو جیسا کہ مولانا آگے نقل فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہے اطلاع دے تو یہی بات پھر صلاۃ وسلام اور زندہ ہونے میں کیوں نہیں؟ مولانا صاحب خود صلاۃ وسلام کے سننے کے قانون بنانے پر کیوں مصر ہیں؟ (ص ۱۰، ۱۱)

<u>جواب</u>: امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے تو علامہ احمد بن محمد قسطلانی اور علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ذکر کی اور اس کا ترجمہ کیا ہے، مولوی صاحب کو دیانت داری کا خیال کرتے ہوئے یہ تبصرہ اور بریلویت کی تائید کا طعن ان حضرات پر کرنا چاہیئے تھا نہ کہ ناقل پر، پھر مولانا محمد سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے جب خود توجیہ کر دی کہ اللہ تعالیٰ اطلاع کرے اور نیات یا حالات بتا دے تو یہ سب ہو سکتا ہے اور یہ کہ اہل بدعت کا اس سے عالم الغیب ثابت کرنے کا استدلال بھی غلط ہے۔ (سماع الموتی ص ۳۶، ۳۷)

تو اب تبصرہ کرنے اور صفت عالم الغیب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کے طعن کا کیا جواز نکلتا ہے؟ علماء دیوبند سے نشان دہی کرنے کی ضرورت کیا ہے، کیا علماء دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اطلاع کریں تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جان سکتے؟ اور صلاۃ وسلام کے سماع کے عقیدہ میں آپ کا نظریہ اپنا گھڑنتو ہے قرآن

وسنت کا نظریہ نہیں ہے۔ کہ وہاں کہا جائے کہ آپ ﷺ سنتے تو نہیں ہاں خلاف قانون اللہ تعالیٰ چاہے تو سنا دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اہانت کا طعن: (۲) کہتے ہیں کہ (مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے) جمہور امت نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کی تائید نہیں کی، ایسے مقام پر ان کے بارے میں لکھا ہے اما رأیھا فرأی النساء۔" (سماع الموتی ص ۲۸۶)

یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مولانا نے اپنے دل کا غبار نکالا کہ اس نے آیت انک لا تسمع الموتی کی تفسیر عدم سماع والی کیوں کی، جمہور امت کی تائید سے حضرت عائشہ محروم ہوگئیں ان کی رائے عام عورتوں کی طرح ہوگئی ہے جن میں دین ناقص ہوتا ہے عقل کم ہوتی ہے۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین ہے۔ اکابر دیوبند صحابہ کرام کو معیار حق مانتے ہیں۔

جواب: سماع موتی کی ابتدائی اشاعتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں الفاظ درج ہیں یہ درست ہے کہ ان الفاظ میں نقل ہے مگر مناسب ہے کہ دونوں حضرات کے مقام کی رعایت کی خاطر درست مطلب لیا جائے کہ مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہن کا باہم تقابل ہے کیونکہ سماع موتی کے بعد کے نسخوں میں اس سے ملتے جلتے الفاظ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نقل ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ صحابہ اور صحابیات کا تقابل کررہے ہیں نہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور عام عورتوں کے درمیان تقابل ہے چنانچہ سماع موتی طبع چہارم میں یہ لفظ ہیں: "جمہور کی تحقیق کو نظر انداز کر کے کس کس کے وہم کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے (یعنی یہی سمجھ لیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہم ہوا کیونکہ اس سے کوئی بڑی خرابی لازم نہیں آتی) جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ فرمایا تھا "و اتعلمون ان وھن النساء و ضعف رأیھن الی التلاشی (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ ج ۱ ص ۶۷) اور تم جانتے ہو کہ بے شک عورتیں کمزور اور ان کی رائے بھی ضعیف و مضمحل ہوتی ہے۔ (سماع الموتی ص ۲۸۲)

ظاہر ہے کہ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں کہی جارہی ہے یعنی ایک طرف قلیب بدر کی روایت کرنے والے حضرت ابن عمر وعمر وابوطلحہ وابن مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم مرد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے حضرت عمر وابوطلحہ رضی اللہ عنہما واقعہ کے وقت موجود تھے اور موجود شخص کو وہم ہو سکنے کے احتمال کو قوی بنانے کے بجائے کیوں نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہہ دیا جائے کہ ان سے وہم ہوگیا جب کہ جمہور بھی کہہ رہے ہیں کہ صحیح حضرت ابن عمر کی حدیث ہے؟ مزید اپنی طرف سے کہنے کے بجائے استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل پیش کرنا زیادہ موزوں ہے۔ استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بہت اونچا مقام ہے لاشک فیہ لیکن آنحضرت ﷺ کا درجہ تو سب مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہے لاریب فیہ۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دفن کے بعد جب لوگ واپس آتے ہیں تو مردہ (جس میں جان پڑ چکی ہوتی ہے) قرع نعال سنتا ہے بخاری مسلم وغیرہ اور جب کوئی زائر سلام کرتا ہے تو مردہ سنتا ہے اور جواب دیتا ہے صحیح حدیث ہے سماع الموتی وغیرہ میں دیکھیں اس کے برعکس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہیں سنتا، انصاف سے فرمائیں کہ ہم نے آں حضرت ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا؟ بات کس کی مانیں؟ فیصلہ سامعین پر ہے۔

فتح الباری عمدۃ القاری اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں تصریح ہے کہ خالفھا الجمھور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور جمہور امت نے اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے۔ اب غور سے فرمائیں کہ جمہور کا ساتھ دیں یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ مجتہدہ تھیں اور مجتہد سے غلطی بھی صادر ہو جائے تو اسے گناہ نہیں ہوتا بلکہ اجر ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم کی حدیث ہے) اور غیر مجتہد دلائل واضح ہو چکنے کے بعد غلط بات کو لے تو گناہ گار ہوتا ہے اس کی ضد سے گناہ نہیں ٹلتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں نماز پوری پڑھتی تھیں یہ فرماتے ہوئے کہ میں مؤمنوں کی ماں ہوں میں مسافر نہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی سفر میں رباعی نماز نہیں پڑھی اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پوری پڑھنے والا گناہ گار ہوگا، اس مسئلہ میں یہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ کیا وجہ ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام ذکوان رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھتی تھیں اور وہ قرآن کے حافظ نہ تھے قرآن کھول کر اس سے پڑھتے تھے۔ (بخاری ج ۱ ص ۶۹) اس مسئلہ میں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی نہیں کرتے، ان کے علماء سے کہیں کہ کم از کم رمضان مبارک میں اس مسئلہ پر عمل کریں پھر عوام کا رد عمل دیکھیں، فقہ حنفی کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ عمل کثیر ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، دیکھئے حاشیہ بخاری ص ۹۶ وغیرہ۔

محترم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کافی تفردات ہیں اور ان (تفردات) کو نہ ماننے سے ان کی توہین نہیں ہوتی وہ مجتہدہ تھیں۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جنگ جمل کے لئے روانہ ہوئیں تو اس موقع پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں مجمع عام کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی سے معذرت فرمائی اور یہ فرمایا: ''و تعلمون و هن النساء و ضعف رأيهن الى التلاشي و من اجل ذالك جعل الله الرجال قوامين على النساء'' (الامامة والسياسة لابن قتيبة ج ۱ ص ۶۷) یعنی تم عورتوں کی خلقی کمزوری اور ان کی رائے کا ضعف بخوبی جانتے ہو کہ کبھی ان کی رائے صفر درجہ کی ہوتی ہے۔ (ماہنامہ المصطفیٰ بہاولپور امام اہلسنت نمبر ص ۷۵۷،۷۵۶)

الحاصل استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عام اور محض عام عورتوں کی طرح ہیں اور ان کی رائے عام عورتوں کی طرح ہے (کیونکہ عام عورتیں مجتہدہ کہاں؟ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ ہیں) بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ان کی رائے (اُس دور کی) عام عورتوں کی طرح ہے، بے شک صحابہ رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں مگر کیا صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا حضرت عمر و ابن عمر وغیرہم اور بلال بن حارث اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی معیار حق ہیں؟ جب دونوں معیار حق ہیں تو دونوں کی رائے حق ہے اس لئے تو عام مردوں کے سننے نہ سننے کے مسئلہ کو ہم حق و باطل کا مسئلہ نہیں بناتے راجح مرجوح کا مسئلہ کہتے ہیں، یہ صرف مماتی ہیں جو اس کو حق و باطل کا مسئلہ ٹھہراتے ہیں اور اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو حق پر اور دوسری کو باطل پر ٹھہرا کر بھی معیار حق ہونے کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ معاذ اللہ! کبھی بعض مماتی کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں تو جو ماں کی بات نہ مانے وہ کون ہوتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ (۱) واقعہ قلیب بدر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابلہ میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونے کے مسئلہ میں ان کے مقابلہ میں حضرت ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم ہیں اور جنگ جمل میں ان کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت میں شامل بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں تو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم ماں کی مخالفت سے کیا بنے؟ جو ان پر فتویٰ لگاؤ ہم بھی اس کے مستحق ہیں اور یہ ہماری سعادت کی بات ہوگی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث طیبہ میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں والدین کی بات کی اتباع جائز نہیں ہے تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کے خلاف کو ترجیح دے رہے ہیں اور یہ عین اتباع قرآن و سنت ہے۔

<u>موت کے بعد روحوں اور جسموں دونوں کی زندگی</u>: (۳) لکھتے ہیں (کہ مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے) بلاشبہ تمام مردوں کا اپنی قبروں میں اپنے ارواح اور اجسام کے ساتھ زندہ ہونا شک سے بالاتر ہے۔
(تسکین الصدور ص ۷۰)

یہ عبارت علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے، اکابرین میں سے کسی عالم کی ایسی عبارت ہو تو دکھا دیں۔ جو تمام مردوں کو روحوں اور جسموں کے ساتھ قبر میں زندہ مانتا ہو، (ص ۱۲)

<u>جواب</u>: معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب اردو کلام سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہیں تو یہ عربی کلام کو کیسے اچھی طرح سمجھیں، مولانا کی عبارت میں لفظ ''ساتھ'' کا غلط مطلب نکالا ہے، ان کی عبارت کا صرف یہ مطلب ہے کہ روح وجسم دونوں کے ذریعہ قبروں میں زندگی حاصل ہے یعنی جسم سے روح کے تعلق سے زندہ ہیں نہ یہ کہ جیسے جسم قبروں میں ہیں روحیں بھی قبروں میں ہیں، بلکہ روحیں اپنے اپنے مقام میں رہ کر جسموں سے تعلق رکھتی ہیں اور روحوں کے جسموں سے تعلق کا عقیدہ سب علماء دیوبند کا اور سب اہل سنت کا ہے یہ بحث اپنے مقام پر آرہی ہے۔ ان شاء اللہ!

اور لکھتے ہیں تمام مفسرین نے اس حدیث صحیح کو نقل فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں کھاتی پیتی ہیں اور قیامت میں واپس اپنے اجسام میں داخل ہوں گی، علماء دیوبند میں ایک ایسا بھی عالم نہیں جس نے اس حدیث کا انکار کیا ہو یا شہیدوں کی روحوں کو جنت میں نہ مانتا ہو۔ (ص ۱۲)

<u>جواب</u>: اس کا انکار مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نہیں کیا نہ ہی ان کے شاگردوں نے انکار کیا بلکہ ہم پورے قرآن مجید اور سب احادیث صحیحہ کے قائل ہیں، یہ تم لوگ ہو جو نہ تو قرآن مجید کی سب نصوص کو مانتے ہو اور نہ سب احادیث صحیحہ کو مانتے ہو، جی چاہتا ہے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ کی صرف اتنی حدیث مانتے ہو کہ علیین ساتویں آسمان کے اوپر ایک مقام ہے (ص ۴۶) اور مرضی ہو تو اس کا یہ حصہ نہیں مانتے کہ مردہ (کافر ہو یا مؤمن اس) کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے (یعنی تعلق دوبارہ قائم کیا جاتا ہے) پھر فرشتے سوالات کرنے آتے ہیں اور یہ بھی کہ مردہ جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے، قرآن مجید کے کلمہ بل احیاء (مقتول یعنی جسم زندہ ہیں) کا انکار کرتے ہو اور مذکور حدیث کو مانتے ہو افتؤمنون ببعض الکتاب۔

<u>قبر اطہر میں زندگی کی کیفیت</u>: (۴) لکھتے ہیں کہ (مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں) محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہوتے ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۱۲۸)

یہ مسلک تو بریلویوں کا ہے احمد رضا خان صاحب کہتے ہیں ازواج مطہرات آپ پر پیش کی جاتی ہیں اور آپ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام لذتوں سے متمتع ہیں کیا دنیا کے تمام رزق وہاں پہنچتے ہیں اور تمام عبادتوں سے متمتع ہوتے ہیں کیا تبلیغ، جہاد، امامت بھی کرتے ہیں، کیا حج کو بھی آتے ہیں رمضان کا روزہ بھی رکھتے ہیں۔ اکابرین دیوبند کا ایسے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (ص ۱۲)

<u>جواب</u>: مولوی صاحب خیانت کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں بتاتے کہ یہ علامہ حسن بن علی شرنبلالی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اور ان کا عقیدہ ہے؟ استاذ مکرم رحمۃ اللہ علیہ تو محض ناقل ہیں ان پر تبصرہ کے بجائے علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ پر تبصرہ کریں۔

پھر اس عبارت میں لفظ تمام لذتوں کا ہے (عربی عبارت میں بجمیع الملاذ ہے) جناب نے اس سے دنیا کی لذتیں کیوں مراد لیں؟ عقل سے کام لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے جہان میں ہیں اور لذتیں دنیا کی حاصل کرتے

ہیں؟، اس جہان کی لذتوں کے مقابلہ میں اس جہان کی لذتوں کی کیا حیثیت ہے؟ جناب دنیا کے رزق شمار کرنے لگے تو شہداء کے لئے یرزقون سے بھی جناب کی عقل ناقص میں دنیا کا رزق آتا ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ جناب کا عقیدہ یہ ہے کہ شہداء کو تو رزق ملتا ہے مگر نبی کریم ﷺ اور انبیاء علیہم السلام رزق سے محروم ہیں؟ اعاذنا اللہ من سوء الاعتقاد آمین

عبادتوں کے ذکر میں لفظ تمام نہیں (عربی الفاظ میں بھی فقط والعبادات ہے) تو آپ دنیا کی سب عبادتیں کیوں شمار کرنے لگے ہیں؟ احادیث میں نماز کا ذکر آیا ہے اور معراج میں سب انبیاء علیہم السلام کا حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور بعض احادیث سے انبیاء علیہم السلام میں سے خصوصاً حضرت موسیٰ اور یونس علیہما السلام کا حج کو آنا ثابت ہے، علماء دیوبند ہرگز ان چیزوں کے منکر نہیں ہیں اور جناب جیسے منکر ہرگز دیوبندی اور سنی نہیں ہیں۔

<u>مردوں کے سننے کی بحث</u>: تیسرا باب مولوی صاحب نے مردوں کے سننے کے بارے میں قائم کیا ہے، شروع میں تین قول بیان کے ہیں:

(۱) مردہ کے لئے سننے کا قانون ہے جو بھی جس وقت چاہے جو کلام بھی کرے ہر کلام کو مردہ سنتا بھی ہے، سلام کلام کرنے والے کو پہچان بھی لیتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام ہر وقت قبر پر پڑھا جانے والا سلام سن لیتے ہیں اور ہر ایک کو جواب بھی دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش بھی کرتے ہیں، بغیر اسباب کے ہر وقت ان کے لئے سننے کا قانون ہے۔

(۲) فی الجملہ مردہ سنتا ہے یعنی کسی نہ کسی کے کلام کو جیسے منکر نکیر کا سوال، برزخ میں پہنچ جانے والوں کا، یا خرق عادت جیسے قلیب بدر والے مردوں نے صرف حضور ﷺ کا کلام سنا، یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔

(۳) مردہ دنیا والوں کے کلام وسلام کو نہیں سنتا منکر نکیر کے کلام کو سنتا ہے، اس جہان والوں کے لئے صرف اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس فوت شدہ ہستی کو خواہ نبی ہو یا ولی دنیا والوں کا جو کلام وسلام سنانا چاہے سنا دیتا ہے۔ (ص ۱۳)

اس بحث سے قطع نظر کہ مولوی صاحب نے جو تین نظریات بیان کئے یہ حقیقت ہیں یا ان میں کافی غلط بیانی کی گئی ہے، مولوی صاحب کا نظریہ یہ کہ کوئی بھی میت ہو وہ دنیا والوں کا کوئی کلام بھی نہیں سنتا سلام ہو یا کچھ اور باقی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو کچھ سنا دے یہ محض ایک ڈھال ہے۔ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ کر سکتا ہے خلاف قانون ہو یا موافق قانون، قانون کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے اور خلاف قانون کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے، تو یہ صاحب نبی کریم ﷺ کے لئے قبر مبارک میں جسم اطہر کی زندگی کے بھی منکر ہیں اور قبر کے پاس صلاۃ وسلام سننے کے بھی منکر ہیں اور عام مردوں کے لئے بھی اجسام عنصریہ میں زندگی کے منکر ہیں اور السلام علیکم یا اھل القبور سننے کے منکر ہیں۔

ہمارا اور سب اہل حق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور عام مردوں سب کو بتعلق ارواح اجسام عنصریہ کی زندگی بھی حاصل ہے اور جو کچھ نصوص سے سننا ثابت ہے اس سب کا عند القبور بھی حاصل ہے اور یہ ثابت سماع قانونی اور عادی طریقہ پر ہے، البتہ اس قانون وعادت کے برخلاف کبھی وہ چیز جس کا سماع ثابت ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو سنانا بند کرے اور جس چیز کا سماع ثابت نہیں اس کے سماع اور عدم سماع کے بارے میں ہم سکوت اختیار کرتے ہیں ممکن ہے سن لیں اور ممکن ہے کہ نہ سنیں یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے چونکہ ہمیں نہیں بتایا اور اس کا تعلق عالم غیب سے ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا اس لئے نصوص کی خاموشی کی وجہ سے ہم بھی خاموش ہیں، جیسا کہ علماء نے فرمایا ابھموا ما ابھمہ اللہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا تم بھی اس کو مبہم چھوڑ دو۔

یہ مولوی صاحب بمع جماعت کا کام ہے کہ قرآن وحدیث کو متعارض مان کر نصوص سے ثابت کے بھی منکر

بنیں، بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ (اس کو جھٹلایا جس کے علم کا احاطہ نہ کر سکے) ہم غیر منصوص کے نہ منکر بنتے ہیں نہ مثبت بس ساکت ہیں۔

مزید مولوی صاحب کہتے ہیں: ''بعض اکابر سماع فی الجملہ کے قائل ہیں، جن بزرگوں کی طرف سماع کی نسبت ہے وہ قانون سماع کی نہیں بلکہ سماع فی الجملہ کی۔ یہ بعض اکابر مطلقاً سماع موتی کی نفی فرماتے ہیں اس وجہ سے کہہ دیتے ہیں سماع موتی میں اختلاف ہے، ورنہ سماع موتی کی صورت اوّل کا امت میں کوئی شخص قائل نہیں رہا۔ (ص ۱۳)

مولوی صاحب بات کو گول مول کرنے کے عادی ہیں جو مطلب سماع فی الجملہ کا لیا ہے وہ بھی عدم سماع ہے۔ جو حضرات سماع کے قائل ہیں وہ مولوی صاحب کے بیان کردہ سماع فی الجملہ کے نہیں بلکہ اس سماع کے قائل ہیں جس کے ہم قائل ہیں (کہ جہاں سننا ثابت ہے وہاں مانتے ہیں اور جہاں ثابت نہیں وہاں خاموش ہوتے ہیں) اور جو سماع موتی کے منکر ہیں وہ بھی منصوص میں سماع مانتے ہیں اور مسکوت عنہ میں سماع کے نافی ہیں۔

<u>کیا عقیدہ سماع موتی شرک ہے</u>؟ اس باب کی پہلی فصل میں عقیدہ سماع کو شرک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سماع موتی فی الجملہ جو ہم نے دوسری صورت میں نقل کردیا شرک نہیں ہے لیکن ایک شخص کسی نبی یا ولی، عام آدمی کے لئے بغیر اسباب کے سننے کا قائل ہے تو یقیناً مشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت سماع میں شریک بناتا ہے سمیع اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بغیر اسباب کے اللہ تعالیٰ سنتا ہے، بغیر اسباب کے کسی نبی یا ولی کو سننے والا سمجھنا اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع میں شریک کرنا ہے، دور ہونے کی وجہ سے اسباب کٹ جائیں تو کسی کو سننے والا سمجھنا شرک ہے۔'' (اعلان حق ص ۱۴)

مولوی صاحب اور اس کی جماعت توحید کی داعی اور شرک کی قاطع ہونے کی دعویدار ہے، توحید اور شرک باہم ضد ہیں ایک کو سمجھنا دوسرے کو سمجھنے پر موقوف ہے مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات سے پوری طرح واقف ہی نہیں۔

صفت سمیع کا مطلب ہے؟ ''انه المدرك للاصوات التي يدركها المخلوقون باذانهم من غير ان يكون له اذن وذالك راجع الى ان الاصوات لا تخفى عليه وان كان غير موصوف بالحس المركب في الأذن'' (الاسماء والصفات للبیہقی ص ۵۸) اللہ تعالیٰ وہ ہے جو کان ہونے کے بغیر ان آوازوں کا ادراک کر لیتا ہے جن کا ادراک مخلوق کانوں سے کرتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آوازیں مخفی نہیں رہتیں اگرچہ کانوں میں موجود حس مرکب سے اللہ تعالیٰ موصوف نہیں۔

یعنی مخلوق اسباب سے آوازیں سنتی ہے اور وہ اسباب کان اور کانوں میں حس ہے اور اللہ تعالیٰ کان اور کانوں میں حس کا محتاج نہیں اس کے بغیر آوازیں سنتا ہے، تو جب صفت سمیع کا معنی یہ ہوا اور زندہ ہوں یا مردہ سب ہی صرف قریب کی آواز اسباب کے ذریعہ ہی سنتے ہیں بغیر اسباب نہیں سنتے تو صفت سمیع میں شرک کیسے ہوا؟ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی رحمہما اللہ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سماع قلیب بدر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تبصرہ سے متعلق فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہوگا انهم ليعلمون الآن ان مشرکین کو مرکر اب علم ہو گیا ہوگا کہ جو میں کہتا تھا وہ حق ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واذا جاز ان يكونوا في تلك الحال عالمين جاز أن يكونوا سامعين اما باذان رؤسهم كما هو قول الجمهور'' (فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۵ کتاب الجنائز، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۹۲، ج ۱۷ ص ۱۲۵، وکذا فی الکنز التواری) ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے فرمان کے مطابق جب وہ اس حال میں جان لینے والے ہو سکتے ہیں تو سننے والے بھی ہو سکتے ہیں یہ سننا جمہور کے قول کے مطابق سر کے کانوں سے ہوتا ہے۔

توجب زندوں کی طرح مردوں کا قریب سے سننا سر کے کانوں اوران میں حس کے ذریعہ ہوتا ہے توان کا سماع ماننے سے صفت سمیع میں شرک کیسے ہوگیا اور مردے سمیع کیسے بن گئے؟ اور جب سماع کے قائلین علماء دیوبند نزدیک سے سننے کے قائل ہیں اور دور سے سننے کے منکر ہیں تو شرک کیسے ہے؟

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے دھوکہ دہی: حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے صفت سمیع کی تعریف میں فرمایا کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری باتوں کو دور ونزدیک سے سن لیتے ہیں۔ سب شرک ہے۔ (اعلان ص ۱۴ بحوالہ تعلیم الاسلام حصہ چہارم)

جب قائلین سماع دور ونزدیک سے قائل نہیں صرف نزدیک سے قائل ہیں تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح بھی نزدیک سے سماع موتی ماننے کو شرک ثابت نہیں کرتی۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے دھوکہ دہی: ایسے ہی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت سے قائلین سماع پر شرک کا فتویٰ لگانا دھوکہ دہی ہے وہ فرماتے ہیں: ''یہ عقیدہ اتفاقی ہے ندا اور خطاب اگر فخر عالم کو اس عقیدہ سے کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم استقلالاً بلا واسطہ سن لیتے ہیں شرک ہے خواہ بضمن صلاۃ وسلام ہو یا بغیر اس کے۔ (براہین قاطعہ ص ۲۱۶، اعلان حق ص ۱۴)

اس عبارت کو مولوی صاحب نے بددیانتی سے کام لیتے ہوئے عقیدہ سماع صلاۃ وسلام عند القبر کے شرک ہونے کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا لیکن اوّل تو قارئین خود دیکھیں کہ یہاں عند القبر کے الفاظ کہاں ہیں؟ دوم اگر پھر بھی مولوی صاحب کی چالاکی قارئین کو سمجھ نہ آئے تو میں وضاحت کرتا ہوں کہ قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتاب براہین قاطعہ مولوی عبدالسمیع کی کتاب انوار ساطعہ کا جواب ہے اور ظاہر ہے کہ جواب میں اس بات کا رد ہوتا ہے جس کا ذکر مدعی نے کیا ہو، اب سمجھیں کہ مولوی عبدالسمیع بریلوی ندائے یا رسول اللہ کی غائبانہ صورت کو (نہ کہ عند القبر یا رسول اللہ کہنے کو جائز ثابت کرنے کی بحث کرتے ہیں جیسا کہ بریلوی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے غائبانہ یا رسول اللہ اور خطاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے سنتے ہیں، مولوی عبدالسمیع نے لمعہ سادسہ کا عنوان قائم کیا اور اس میں اس کا جواب دیا کہ: ''یہ اعتراض کہ محفل میلاد شریف میں اشعار مخاطب حاضر کے پڑھتے ہیں بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالانکہ آپ غائب ہیں نظر سے، یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کفر ہے۔'' (ص ۲۲۰)

ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی عبدالسمیع ثابت کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ حال میں خطاب درست ہے، چنانچہ اس بات کو انہوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی، وضاحت کے لئے ان کی یہ عبارات بھی پڑھ لیں: ''الحاصل دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر سے غائب ہیں پھر بھی (نمازیوں کے السلام علیك ایها النبي ورحمة الله وبركاته کہنے سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب حاضر ہورہا ہے نماز میں۔'' (انوار ساطعہ مع براہین قاطعہ ص ۲۲۱)

اب دیکھنا چاہیے کہ یہ سب مقبولین باوجود حالت غیوبت کے خطاب کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاذ اللہ منکرین کے نزدیک کافر ہیں؟ (انوار ساطعہ مع براہین ص ۲۲۸)

تو بحث غائبانہ خطاب کے بارے میں ہی ہے اور اسی غائبانہ خطاب کے بارے میں مولوی عبدالسمیع کے جواب میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ عقیدہ اتفاقی ہے کہ نداء وخطاب اگر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عقیدہ سے کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ استقلالاً سنتے ہیں شرک ہے خواہ بضمن صلوۃ ہو خواہ بغیر اس کے کسی وجہ سے ہو۔

(براہین قاطعہ ص ۲۲۰ طبع دار الاشاعت)

اب قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ غائبانہ خطاب ونداء کی بحث ہے جس میں بذات خود سن لینے کا عقیدہ شرک ہے، قبر شریف کے پاس خطاب ونداء کو شرک نہیں کہہ رہے کیونکہ حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ بذل المجہود میں فرماتے ہیں: فھی دائما تعرض علیه بواسطة الملک الا عند روضة فیسمعھا بحضرته (بذل المجہود ج ۲ ص ۲۹۷ طبع مکتبۃ الشیخ کراچی) درود وسلام ہمیشہ فرشتہ کے ذریعہ آپ پر پیش ہوتا ہے مگر روضہ مبارکہ کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود سنتے ہیں۔

تو اگر ان کی براہین قاطعہ کی عبارت میں سماع عند القبر کو شرک کہا گیا ہو تو کیا یہاں خود عقیدہ شرکیہ اختیار کر لیا ہے؟ حیف اس علم اور سمجھ پر۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے دھوکہ: ایسے ہی بعض مماتی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت سے دھوکہ دیتے ہیں؟ "اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام خود خطاب سلام کا سنتے ہیں وہ کفر ہے (آگے کی یہ عبارت پیش نہیں کرتے) خواہ السلام علیک کہے یا السلام علی النبی کہے اور جس کا عقیدہ یہ ہے کہ سلام وصلوۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جاتا ہے، ایک جماعت ملائکہ کی اس کام کے واسطے مقرر ہے جیسا احادیث میں آیا ہے تو دونوں طرح پڑھنا مباح ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۱۰۳)

یہ عبارت غائبانہ خطاب سے متعلق ہے جس کی دلیل سوال ہے:

سوال: بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تشہد میں صیغہ خطاب السلام علیك ایھا النبی کی بجائے السلام علی النبی صیغہ خطاب سے بدل لیا تھا تو معلوم ہوا کہ خطاب غائب کو یا ناجائز ہے یا اولی نہیں؟ (تو یہ جواب دیا) (ص ۱۰۳)

تو یہ تشہد وغیرہ کے السلام علیك ایھا النبي غائبانہ خطاب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غائبانہ خطاب کرنے والا اگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام سننے کا عقیدہ رکھے تو کفر ہے، اس کو قبر پر حاضر ہو کر الصلاۃ و السلام علیك یا رسول اللہ یا السلام علیك أیھا النبي ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے متعلق قرار دینا دجل اور بہت بڑی غلط بیانی ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت بھی یہی واضح کرتی ہے؟ "جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا، اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔ (فتاوی، تالیفات ص ۷۲)

اور یہ عبارتیں مماتیوں کے بھی خلاف ہیں کیونکہ یہ لوگ ملائکہ سیاحین کی حدیث کے اور فرشتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک درود پہنچنے کے منکر ہیں۔

مولانا حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے دھوکہ: مماتیوں کے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی صاحب نے مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت نقل کی اور ترجمہ نہیں کیا یہ بھی دور سے متعلق ہے: "منھم الذین یدعون الانبیاء والأولیاء عند الحوائج والمصائب باعتقاد ان ارواحھم تسمع النداء وتعلم الحوائج وذالك شرك قبیح وجھل صریح" (احسن العقائد ص ۷)

کئی لوگ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کو حاجات اور مصائب کے وقت اس عقیدہ سے پکارتے ہیں کہ ان کی روحیں پکار سنتی اور حاجات جانتی ہیں اور یہ قبیح شرک اور صاف جہالت ہے۔ اس عبارت میں حاجات وغیرہ کے وقت دور سے پکارنے اور سننے، جاننے کا عقیدہ رکھنے کو شرک اور جہالت فرمایا گیا انبیاء علیہم السلام کی قبور مبارکہ کے نزدیک سننے کے عقیدہ کو شرک نہیں کہا گیا۔

کیا قرآن مجید میں ہے کہ عقیدہ سماع شرک ہے؟ مولوی صاحب کہتے ہیں: ''قرآن مجید نے بھی ایسے سماع کو شرک قرار دیا ہے مثلاً ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم، یہ خطاب مشرکین کو ہے جو بتوں کے ذریعے نیک لوگوں کو بغیر اسباب کے پکارتے تھے اور ان یہود ونصاری کو ہے جو انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر جا کر انہیں پکارتے تھے اور ان قبائل عرب کو جو غائبانہ طور پر فرشتوں اور جنوں کو پکارتے ہیں۔ (ص ۱۴)

یہاں مولوی صاحب نے قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول کر کئی غلط بیانیاں کی ہیں (۱) اگر بتوں کے ذریعے نیک لوگوں کو پکارتے تھے تو ان نیکوں کو غائبانہ پکارنا ہوا تو جناب نے جنوں اور فرشتوں کو پکارنے کی صورت غائبانہ لکھی اور بتوں کے ذریعے پکارنے کو غائبانہ پکارنا کیوں نہ لکھا؟ کیا وہ بزرگ ان بتوں میں یا بتوں کے نزدیک ہوتے تھے؟ اور ظاہر ہے کہ جب نیکوں کو پکارنا غائبانہ تھا اور جنوں اور فرشتوں کو پکارنا بھی غائبانہ تھا تو انبیاء علیہم السلام کو پکارنا بھی غائبانہ تھا نہ کہ قبروں کے پاس، اگر بالفرض قبروں کے پاس پکارنا مراد ہو تو وہ اس لئے نہ سنتے تھے کہ وہ عالم برزخ میں عیش وسکون میں ہیں جہاں تکلیف نہیں اور ان کو دنیا میں غیر اللہ کی پکار سے تکلیف ہوتی تھی تو اب خود ان کو پکارنے پر بھی ان کو تکلیف ہوگی تو اللہ تعالیٰ تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لئے پکار نہیں سناتے اور صلاۃ وسلام تو کوئی باعث تکلیف نہیں کہ وہ بھی نہ سنائیں مزید تفصیل آیت کی آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ!

(۲) مولوی صاحب نے لفظ بشرککم سے عقیدہ سماع کا شرک ہونا مراد لے کر اللہ تعالیٰ کی کلام میں تحریف معنوی کر کے اللہ تعالیٰ پر غلط بیانی کی اور بہت بڑا ظلم کیا ہے، یہاں شرک سے مراد وہی شرک ہے جو مشرکین کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے برابر کرنا اور بتوں کی عبادت کرنا۔ کہتے ہیں ''دوری کی وجہ سے اسباب کٹ جائیں یا دوسرے جہان میں ہونے کی وجہ سے اسباب کٹ جائیں یا بہرہ ہونے کی وجہ سے سبب کٹ جائے تو بغیر اسباب کے کسی کے لئے سننے کا قانون بنانا شرک ہے۔ (ص ۱۵)

جواب: بشرطیکہ یہ بھی قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ دوسرے جہان میں جانے کی وجہ سے سننے کے اسباب کٹ جاتے ہیں پھر بغیر اسباب کے سننے کا عقیدہ شرک ہوگا اور جب احادیث سے سماع ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ دوسرے جہان میں جانے کی وجہ سے سننے کے اسباب نہیں کٹتے تو مردے اسباب کے ذریعہ سنتے ہیں جیسے زندے اسباب کے ذریعہ سنتے ہیں اور یہ شرک نہیں ہے، تفصیل آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ!

اس فصل کے آخر میں (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹) کے حوالہ سے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا: ''انما الضابطۃ عدم السماع (اعلان حق طبع دوم ص ۲۳) قانون مردوں کے نہ سننے کا ہے۔

یہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے لغزش ہوئی ہے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ عدم سماع کو قانون نہیں بناتے جیسا کہ آگے تفصیل سے آ رہا ہے ان شاء اللہ! بلکہ یہ بات علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بیان کرنا درست تھی لیکن علامہ ابن ہمام بھی جوتوں کی کھسکاہٹ وغیرہ کے قائل ہیں ان کے علاوہ غیر منصوص میں عدم سماع قانون مانتے ہیں لیکن علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ یہ بات لگانے میں حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہوا ہے۔

مردوں کے نہ سننے پر مولوی صاحب کے دلائل: تیسرے باب کی دوسری فصل میں مولوی صاحب نے مردوں کے نہ سننے پر دلائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے عموم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء علیہم السلام کو داخل کیا ہے جیسے شیعہ لوگ آیت یوصیکم اللہ پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی داخل کرتے ہیں اور مرزائی قد خلت من قبلہ الرسل پڑھ کر

حضرت عیسی علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے اور دوبارہ تشریف نہ لانے کا ثبوت دیتے ہیں اور بریلوی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما پڑھ کر اذان کے بعد اور پہلے کا صلاۃ وسلام اس میں داخل کرتے ہیں اور مما رزقناھم ینفقون پڑھ کر گیارہویں اور تیجہ وغیرہ اس میں داخل کرتے ہیں اور مسعودی کل ابن آدم یا کلہ التراب پڑھ کر انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا بھی بوسیدہ ہو جانا ثابت کرتے ہیں اور غیر مقلدین صلوا کما رایتمونی اصلی پڑھ کر عورتوں کو بھی مردوں جیسی نماز پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں، عموم سے استدلال کی گنجائش تو وہاں ہے جہاں خصوص اور استثناء وارد نہ ہوا ہو اور جہاں استثناء اور خصوص وارد ہو (چاہے ضعیف روایات ہی کیوں نہ ہوں) تو مقابلہ میں بھی دلیل خاص پیش ہونی چاہیے۔

پہلی دلیل: مولوی صاحب سب سے پہلی دلیل آیت: انك لا تسمع الموتی اور آیت: و ما انت بمسمع من فی القبور پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان آیات کو بطور دلیل عدم سماع موتی پر پیش فرمایا بخاری شریف۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع: اور مولوی صاحب نے مردوں کے نہ سننے پر اجماع ہونا بھی نقل کر دیا کہ جی جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے آئی انہوں نے اس کو رد کیا اور آیت قرآنی سے استدلال کیا۔ امت کی اکثریت نے حضرت عائشہ کے مسلک کو قبول کرتے ہوئے مطلق سماع موتی کی نفی فرمائی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کی تردید نہیں فرمائی، سماع موتی کے قانون پر اجماع سکوتی اختیار فرمایا۔ (اعلان حق ص ۴۱)

خلاصہ: حضرت عائشہ نے جو تفسیر فرمائی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر سکوت فرمایا تو اس تفسیر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہوا۔ (ص ۱۷)

جواب: مولوی صاحب نے نداء حق وغیرہ سے یہ ساری نقل ماری ہے، عام مردوں کے سننے نہ سننے کے بارے میں ہمارے سب اکابر نے تصریح کی ہے کہ دونوں پہلو درست ہیں جو جس پہلو کو دلائل سے راجح ٹھہرائے وہ حق پر ہی ہوگا، اگر کسی نے دلائل سے مردوں کے سننے کو راجح ٹھہرایا تو یہ بھی ٹھیک ہے اور اگر کسی نے مردوں کے نہ سننے کو راجح ٹھہرایا یہ بھی ٹھیک ہے، اس مسئلہ کا کوئی پہلو باطل نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ کیونکہ دونوں رائے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ایک جانب کو باطل ٹھہرانے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کسی ایک جماعت کو باطل پر ٹھہرانا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے اور مستلزم باطل باطل ہوتا ہے لہٰذا دونوں رائے حق ہیں کسی رائے کو باطل ٹھہرانا باطل ہے۔

مولوی صاحب نے جو آیت: ''انك لا تسمع الموتی اور ما انت بمسمع من في القبور'' سے استدلال کیا ہے تو یہ درست ہے کہ جو اکابرین سماع موتی کے منکر ہیں ان کا استدلال اس قسم کی آیات سے ہے، لیکن دوسرے کئی اکابرین نے ان آیات سے عدم سماع موتی ثابت ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ انك لا تسمع الموتی (نمل: ۸۱، ۸۰) کے تحت تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے در حقیقت یہ آیت ساکت ہے، مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں؟

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہم اختلاف رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہ اس کی نفی کرتی ہیں اسی لئے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین ان میں بھی دو گروہ ہو گئے، بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے اور قرآن کریم

میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورہ نمل میں آیا ہے دوسرے سورہ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورہ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے: ما انت بمسمع من فی القبور یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں، ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سن سکتے۔

(تفصیلی بحث کے آخر میں فرماتے ہیں) اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے کا عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۶۰۲ تا ۶۰۴)

حضرت مفتی صاحب نے صاف فرمایا کہ ان سب آیات میں یہ بالکل نہیں کہ مردے نہیں سنتے، بلکہ یہ تینوں آیات اس سے خاموش ہیں۔ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ''ان آیات میں تو عدم سماع کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ اس لئے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے۔'' (تفسیر حقانی ج ۶ ص ۴۱، فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۱۵۱)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس سے انکار کوئی مؤمن نہیں کر سکتا، اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا اس حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہیے محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو ان کے تحت نہیں لا سکتے، بہر حال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلق سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ (جس کو مماتی ثابت کرتے ہیں۔ مرتب) (تفسیر عثمانی ص ۵۳۱)

ظاہر ہوا کہ آیت میں صرف یہ بیان ہے کہ چونکہ مردوں کو سنانا اسباب عادیہ سے باہر ہے اس لئے تم نہیں سنا سکتے لیکن یہ نہیں کہ وہ سن بھی نہیں سکتے بلکہ سن سکتے ہیں، تو جن باتوں کے سننے کا نصوص میں ذکر آ گیا وہ تو سنتے ہی ہیں اور جن کا ذکر نہیں آیا ان کے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

دوم: اگر مان لیں کہ آیت سے سماع موتی کی نفی ہے تو مطلق سماع کی نفی نہیں سماع نافع کی نفی ہے۔ (سب علماء دیوبند واہل سنت نے یہی توجیہ لکھی ہے جیسا کہ آگے ذکر ہوگا) مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ دارالعمل سے چلے گئے ہیں تو اب ان کو نصیحت بیکار ہے نافع نہیں، سن تو لیں گے لیکن تمہاری نصیحت پر عمل نہیں کر سکیں گے، ایسے ہی یہ مشبہ کا فر ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نصیحت سنتے ہیں لیکن ضد کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں سماع نافع کی نفی ہے مطلق سماع کی نفی نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاموشی: رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیات مذکورہ کی تفسیر عدم سماع موتی سے کی ہے تو صورت حال یہ ہے کہ ہمارے سامنے یہ بات آئی ہے کہ بخاری شریف میں ایک جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر کی روایت: ''گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔'' اس پر جو تبصرہ فرمایا وہاں پر یہ ذکر ہے: ''قال ابن أبي مليكة والله ما قال ابن عمر عنه شيئاً (تحت حدیث نمبر ۱۲۸۸) ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات سن کر) حضرت ابن عمر نے کچھ نہ کہا۔''

اس کے تحت علامہ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال الزين بن منير رحمۃ اللہ علیہ سکوته لا يدل على الاذعان فلعله كره المجادلة في ذالك المقام وقال القرطبي ليس سكوته لشك طراله بعد ما صرح برفع الحديث ولكن احتمل عنده ان يكون الحديث قابلا للتاويل ولم يتعين له محمل يحمله عليه اذ ذاك او كان المجلس لا يقبل المماراة ولم تتعين الحاجة الى ذالك حينئذ'' (فتح الباری ج ۳ ص ۹۲ ۳، عمدۃ القاری ج ۸

ص ۱۷۱) امام زین بن منیر فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خاموشی ان کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات پر) یقین کرنے پر دلالت نہیں کرتی شاید انہوں نے اس موقع پر بحث ناپسند کی ہو اور امام قرطبی فرماتے ہیں ان کی خاموشی (اپنی روایت کے بارے میں) پیدا ہو جانے والے شک کی وجہ سے نہیں جب کہ پہلے وہ مرفوع حدیث صاف بیان کر چکے بلکہ ان کے سامنے حدیث کے قابل تاویل ہونے کا احتمال پیدا ہوا ہوگا لیکن حدیث کا کوئی محمل متعین نہ کر سکے جس پر اسی وقت محمول کرتے، یا وہ مجلس بحث کے مناسب نہ تھی اور نہ ان کو اس وقت اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قلت لا دلالة في السكوت على الاذعان بل ترك المجادلة كما هو شان ارباب العرفان'' (مرقات ج ۴ ص ۱۹۹)

میں کہتا ہوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خاموشی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات مان لینے پر دلیل نہیں ہے بلکہ انہوں نے مجادلہ چھوڑ دیا جیسے اصحاب معرفت کی شان ہے۔

تو جب ایک حدیث (الميت يعذب ببكاء اهله عليه) پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تبصرہ سننے پر خاموشی تائید کرنے پر محمول نہیں ہو سکتی تو اگر حدیث قلیب بدر پر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تبصرہ سنا ہو (اور تبصرہ کو سننے کا ثبوت مولوی صاحب بمع جماعت پر لازم ہے) اور خاموش ہو گئے ہوں تو وہ خاموشی تائید کے حق میں کیسے مانی جا سکتی ہے؟ جناب تو بلا حوالہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تبصرہ سن کر تسلیم کر لیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع: ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ بجائے اس کے کہ حضرت ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات تسلیم کرتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ان کی بات تسلیم کر لیتی ہیں اور حق یہی ہے کہ جب آدمی تک بات کی اصل حقیقت سامنے آئے وہ تسلیم کر لے، جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک صحیح صورت حال نہیں پہنچی تھی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو نہ آیت قرآنی انك لا تسمع الموتی کے خلاف سمجھا اور جب حقیقت کھلی تو کھل کر صحیح بات کا اعتراف کیا۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ومن الغريب ان في المغازی لابن اسحاق رواية يونس بن بكير باسناد جيد عن عائشة مثل حديث ابي طلحة وفيه ما انتم باسمع لما اقول منهم واخرجه احمد باسناد حسن فان كان محفوظاً فكانها رجعت عن الانكار لما ثبت عندها من روايات هؤلاء الصحابة لكونها لم تشهد القصة (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷ باب قتل ابی جہل) اور نرالی بات یہ ہے کہ ابن اسحاق کے مغازی میں یونس بن بکیر کی سند سے عمدہ سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت ہے جیسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں ''ما انتم باسمع لما اقول منهم'' کے الفاظ ہیں اور امام احمد نے بھی حسن سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے، تو اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں (اور سند سے یہی ظاہر ہے) تو یہ دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات ثابت ہونے پر سماع موتی کے انکار سے رجوع کر لیا کیونکہ واقعہ کے وقت خود موجود نہیں تھیں۔

علامہ محمد بن احمد بن سالم سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۸۸ھ) بھی امام احمد کی سند کو حسن اور مغازی ابن اسحاق کی سند کو جید کہتے ہیں (شرح ثلاثیات مسند الامام احمد ج ۱ ص ۶۷۰ طبع المکتب الاسلامی) اس پر مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رجوع کی صراحت کسی کتاب میں نہیں (اعلان حق دوم ص ۲۵) صاف دن میں نکلے ہوئے سورج کو جھٹلانے والے کی طرح ہے۔

جمہور کا عقیدہ: اس کے بعد اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے دعوے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے؟ جب کہ حضرات علماء نے لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تائید نہیں کی تھی۔

علامہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واما رد عائشة بعض تلك الاحاديث فلم يعتد به جمهور الصحابة ومن بعدهم'' (عمدۃ الرعایہ ج۲ ص۲۵۴ سماع الموتی ۲۹۱) رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان بعض حدیثوں کو رد کیا، تو بات یہ ہے کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے جمہور نے ان کے رد کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لكن الجمهور خالفوها في ذالك وقبلوا حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ لموافقة من رواه غيره عليه'' (عمدۃ القاری ج۸ ص۲۹۲) لیکن جمہور نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو قبول کیا ہے کیونکہ دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کرتے ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وقد خالفها الجمهور في ذالك وقبلوا حديث ابن عمر'' (فتح الباری ج۳ ص۴۶۵ کتاب الجنائز باب ماجاء في عذاب القبر) تحقیق جمہور نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور حضرت ابن عمر کی حدیث کو قبول کیا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''والصحيح عند العلماء رواية عبد الله بن عمر لما لها من الشواهد على صحتها من وجوه كثيرة'' (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۴۳۸) علماء کے نزدیک (حضرت عائشہ کی روایت کے مقابلہ میں) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ علامہ ابن رجب حنبلی اور سفارینی دو مذہب بیان کرتے ہیں، پہلا سماع موتی کی نفی کا، اس میں حضرت عائشہ کے ساتھ علماء کی ایک جماعت کا ذکر کر کے تائید کرنے والوں میں قاضی ابو یعلیٰ کا ذکر کرتے ہیں پھر دوسرا مذہب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''و ذهب (ذهبت) طوائف من اهل العلم و هم الاكثرون وهو اختيار الطبري وغيره'' (احوال القبور ص۱۳۳، روح المعانی ج۲۱ ص۵۵ بحوالہ البحور الزاخرہ للسفارینی) علماء کی بہت سی جماعتیں اس طرف گئی ہیں اور وہی اکثر ہیں اور یہی طبری وغیرہ کا پسندیدہ مذہب ہے۔ پہلے قول کے لیے فرمارہے ہیں: ''طائفة من العلماء اور دوسرے قول کے لئے طوائف من العلماء وهم الاكثرون فرمارہے ہیں۔ فرق واضح ہے، دیکھیں کہ جمہور کس طرف ہیں؟

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ''ان الاكثرين على ذالك و هو اختيار ابن جرير الطبري و كذا ذكر ابن قتيبة وغيره'' (روح المعانی ج۲۱ ص۵۵) اکثریت مردوں کے سننے قائل ہے۔ یہی ابن جریر طبری کا پسندیدہ مذہب ہے اور ایسے ہی ابن قتیبہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

مولوی صاحب نے کہا کہ جمہور امت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات لی ہے، حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جیسا کہ ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ جمہور نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث لی ہے، بلکہ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اقرار ہے کہ باقی سب صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تائید کرتے ہیں: ''قالت عائشة و الناس يقولون لقد سمعوا ما قلت لهم و انما قال رسول الله الله لقد علموا'' (مسند احمد ح ۲۶۸۹۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگ (یعنی صحابہ) تو یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے وہ سن لیا جو میں نے ان کو کہا، حالانکہ آپ نے فرمایا ہوگا کہ انہوں نے جان لیا۔

تو جب ام المؤمنین اقراری ہیں کہ سب صحابہ ابن عمر کے تائیدی ہیں اور ام المؤمنین اکیلی ہیں تو مولوی صاحب کو ام المؤمنین کی یہ بات بھی مان لینی چاہیے کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تائید نہیں کی بلکہ مخالفت کی ہے، بہرحال مولوی صاحب ان شاء اللہ کسی ایک مستند بزرگ سے بھی نقل نہیں کر سکتے جو کہے کہ جمہور علماء

امت سماع موتی کے منکر ہیں؟

کتاب الغرائب، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ''امام اعظم ابوحنیفہ نے اس آیت سے عدم سماع موتی ثابت کیا، غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے'' کہ ایک شخص قبر پر سلام کر رہا تھا اور مردہ کو خطاب اور اس سے کلام کر رہا تھا، حضرت امام ابوحنیفہ نے دیکھ کر فرمایا تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں کیا یہ تیری بات سن رہے ہیں وہ تو کسی آواز کو نہیں سنتے پھر فرمایا: ما انت بمسمع من في القبور (سراج الایمان ص ٦) بشیر الدین قنوجی نے اپنی کتاب میں یہی بات لکھی ہے۔ (ص ١٧)

جواب: اوّلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ واقعہ منگھڑت ہے۔ غیر مقلد بشیر الدین قنوجی وغیرہ نے یہ حوالہ الغرائب کا دیا اور مماتیوں نے لے لیا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور سماع موتی: اگر امام صاحب نے ایسی کوئی تصریح کی ہوتی تو فتاوی دارالعلوم دیوبند اور فتاوی رشیدیہ وغیرہ والے کیوں لکھتے کہ امام صاحب سے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں اور جو نقل ہیں شاذ ہیں؟

بلکہ ہمارے اکابر میں سے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں: ''وفي رسالة غير مطبوعة لعلي القاري ان احدا من المتنا لم يذهب الى انكارها و انما استنبطوها من مسئلة في باب الايمان وهي حلف رجل ان لا يكلم فلاناً فكلمه بعد ما دفن لا يحدث قال القاري ولا دليل فيها على ما قالوا فان مبنى الايمان على العرف وهم لا يسمونه كلاما'' (فیض الباری ج ۲ ص ٤٦٧) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ میں سے کوئی بھی سماع موتی کے انکار کی طرف نہیں گیا ہے، علماء نے اس کو کتاب الایمان کے مسئلہ سے استنباط کر لیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے قسم کھائی کہ فلاں سے نہیں بولوں گا، پھر اس کے دفن ہونے کے بعد کلام کی تو حانث نہیں ہوگا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تو منکرین کی دلیل نہیں ہے کیونکہ ایمان کا دارو مدار تو عرف پر ہے اور اہل عرف دفن کے بعد کی کلام کو کلام نہیں کہتے۔ (اس لئے حانث نہیں ہوتا نہ اس لئے کہ سنتا نہیں)''

مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ ملا علی قاری کا مسئلہ یمین کو عرف پر مبنی کہنا درست نہیں کیونکہ دوسرے احناف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ نہیں دیتے، لیکن مولوی صاحب کی یہ بات بالکل غلط ہے حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے کئی تائیدی ہم ذکر کرتے ہیں۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اقول خذا منهم مبنى على ان مبنى الايمان على العرف فلا يلزم منه نفي حقيقة السماع كما قالوا فيمن حلف لا ياكل اللحم فاكل السمك مع ان الله سماه لحما طريا'' (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۶۹ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ قسموں کا مدار عرف پر ہے، اس لیے اس سے حقیقت سماع کی نفی لازم نہیں آتی، جس طرح فقہاء نے کہا کہ جو قسم کھائے کہ گوشت نہ کھائے گا پھر مچھلی کا گوشت کھالیا تو حانث نہ ہوگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کا نام تازہ گوشت ذکر کیا ہے۔ (جیسے وہاں عرف کی وجہ سے حانث نہیں ہوتا ایسے اس مسئلہ میں عرف کی وجہ سے حانث نہیں ہوتا نہ اس وجہ سے کہ مردے نہیں سنتے)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کر کے کہ مسئلہ یمین عرف پر مبنی ہے اور یہ کہ ہمارا کوئی حنفی امام سماع موتی کے انکار کی طرف نہیں گیا۔ اس کی کوئی تردید نہیں کی، تو اس میں ان کی بھی تائید ہوئی۔ (فیض الباری ج ۲ ص ٤٦٧)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے جواب میں فرماتے ہیں: ''وبنائے ایمان بر حرف و

عادت است نہ بر حقیقت فافہم (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۲۱) قسموں کا مدار عرف وعادت پر ہے نہ کہ حقیقت پر سمجھ لو۔

مولانا احمد سعید دہلوی کا حوالہ: لکھتے ہیں: سبحان الہند احمد سعید (کشف الرحمن ص ۶۵۴ میں) فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے اس آیت سے مردوں کے نہ سننے کا استدلال کیا ہے، (طبع دوم ص ۲۹)

جواب: جی ہاں اور ساتھ لکھا ہے کہ: ''اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے۔'' (یعنی کئی احناف سماع موتی کے قائل بھی ہیں، مرتب) اور دوسری آیت کے تحت یہ بھی لکھتے ہیں: ''اور فرمایا تو نہیں سنا تا قبروں میں پڑوں کو، حدیث میں آیا ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ وہ نہیں سنتا۔'' (کشف الرحمن ص ۶۹۷)

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک روح قریب ہوتی ہے اور وہ سنتی ہے، اکیلے دھڑ میں سننے کی صلاحیت نہیں ہے، تو دیکھیں وہ بھی سلام سننے کے قانون کے قائل ہیں کہ یہ نہیں فرمار ہے کہ سن سکتے ہیں بلکہ فرما رہے ہیں کہ روح سنتی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا عزیز الرحمن کا حوالہ: باقی آیت کی تفسیر میں علامہ کشمیری نے جو یہ فرمایا کہ مردے، صرف اللہ تعالیٰ کے سنانے سے ہی سنتے ہیں خود نہیں سنتے تو اس سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں، ان کی متعدد عبارات انشاء اللہ آگے آرہی ہیں وہ بھی مردوں کے سننے کے قائل ہیں نہ کہ مماتیوں کی طرح بالکل نفی کرتے ہیں۔

ایسے ہی مولانا عزیز الرحمان کا یہ فرمان کہ آیت انک لا تسمع الموتی عدم سماع پر نص قطعی ہے تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بے شک قطعی الثبوت ہے مگر قطعی الدلالت ہر گز نہیں کیونکہ قطعی الثبوت مع قطعی الدلالت بات کا منکر کافر ہو جاتا ہے تو لازم آئے گا کہ سماع موتی کے قائل کافر ہوں اور یہ خوامخواہ کی بڑ ہوگی۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: کہتے ہیں: ''عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو نہیں کہ ضرور سنتے ہیں لیکن نہ سننا بھی ضروری نہیں (عدم سماع بھی قانون نہیں، مرتب) اگر حق تعالیٰ چاہیں تو سنا دیں، غرض ایسی حالت نہیں جیسے زندگی میں بطور جریان عادت سننا ضروری ہوتا ہے۔ (فتاویٰ امداد المفتیین ص ۲۹۱، اعلان حق دوم ص ۳۰)

جواب: اس سے پہلے کی عبارت جناب نے ہضم کرلی، اس سے پہلے فرماتے ہیں: اعدل الاقوال اور اصح مختار یہ ہے کہ جن جن مواقع میں میت کا کلام وغیرہ سنت منصوص ہے وہاں تو بلا تامل یقین کیا جاوے باقی عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو نہیں۔ الخ! (ص ۲۹۱)

مولوی صاحب تو وہاں بھی بلا تامل سماع نہیں مانتے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سماع بیان کیا ہے اور مفتی صاحب عدم سماع قانون نہیں مانتے جب کہ مولوی صاحب نے قانون بنا رکھا ہے، تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہی بات کی ہے جو ہم کہتے ہیں، اس سے زیادہ واضح عبارت ایک اور سنیں: ''فالاحادیث الصحیحۃ لما کانت ناطقۃ بثبوت السماع فی قتلی بدر وفی صیغۃ السلام لکل مسلم نطقنا بہ وھی ساکتۃ عن سائر الکلام فسکتنا عنہ ولکن لا سکوت الجحود والانکار بل سکوت من لا یعلم امراً ممکن الوقوع ھل وقع ام لا'' (احکام القرآن ج ۵ ص ۱۰۶) تو احادیث صحیحہ نے جب بتایا کہ بدر کے مقتولین نے سنا اور ہر مسلمان سلام سنتا ہے تو ہم بھی اس کے قائل ہیں باقی ہر ہر بات کے متعلق ہم خاموش ہیں لیکن یہ خاموشی انکار کی نہیں ہے (جیسے مولوی صاحب کرتے ہیں) بلکہ اس شخص جیسی خاموشی ہے جو ممکن الوقوع بات سے متعلق یہ نہیں جانتا کہ اس کا وقوع ہوا یا نہ؟

مولوی صاحب اس کے صاف انکاری ہیں کہ جہاں سماع ثابت ہے وہاں بھی قانون سماع نہیں مانتے اور جہاں سماع نہ نفیاً نہ اثباتاً ثابت ہے وہاں سکوت کے بجائے قانون عدم سماع مانتے ہیں (جیسے وہاں نہ سن لینے کی وحی

ان پر اترتی ہے کیونکہ یہ عالم غیب سے متعلق ہے جہاں بغیر وحی کچھ کہا نہیں جا سکتا)

اور علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت ابھی اوپر آیت کی تفسیر میں ذکر ہوئی، مولوی صاحب نے ادھوری ذکر کرتے ہوئے کھلی خیانت کی ہے۔

مولانا غلام اللہ خان کا حوالہ: ایسے ہی شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کی جواہر القرآن کی عبارت (جس کی ہر بات کا مولانا غلام اللہ کی بات ہونا یقینی نہیں) مولوی صاحب نے آدھی پیش کی ہے پوری عبارت یوں ہے۔ "سماع موتی کا مسئلہ زمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں، جن کی نفی یا اثبات علمی و تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے، امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائے رہی ہیں علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں، جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جب کہ قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ (جواہر القرآن تفسیر سورہ روم، حیات الاموات ص ۵۵، ۵۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ (۱) صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک مسئلہ سماع موتی میں اختلاف چلا آرہا ہے کبھی بھی نہ سماع پر اجماع ہوا نہ عدم سماع پر اجماع (سکوتی) ہوا (۲) سماع اور عدم سماع کوئی بھی باطل نہیں، سماع موتی کے قائلین پر شرک و کفر کا اور عام موتی کے عدم سماع کے قائلین پر بھی کسی قسم کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ (۳) سماع موتی کے قائلین کے پاس بھی صحیح احادیث دلائل ہیں، یہ ساری باتیں مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کے دعویدار مولوی امیر عبداللہ صاحب کے نظریہ کے خلاف ہیں اور ہمارے حق میں ہیں۔

مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: ایسے ہی مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ میں بھی مولوی صاحب نے خیانت کرتے ہوئے صرف مطلب کی عبارت پیش کی ہے۔ (ص ۲۱)

مولانا نورالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تو اہل قبور جس کسی کی آواز سلام سنتے ہیں وہ صاحب سلام کی طاقت نہیں کہ سنا سکیں نہ اہل قبور کی طاقت ہے کہ سن سکیں سنانے والے خود اللہ رب العزت ہیں، جن مواقع میں سماع موتی ثابت ہے۔ سماع موتی اصلاً تو خرق عادت ہے مگر ان مواضع مخصوصہ میں (جن کا سننا احادیث سے ثابت ہے) اللہ رب العزت نے اسے عادت و معمول بنا دیا ہے یہ نہیں کہ مردہ ولی کا کلام وسلام سنے اور عام آدمیوں کا نہیں، یا مردہ ولی تو زائر کا سلام سنے اور غیر ولی نہ سنے۔ الخ! (حیات الاموات ص ۶۱)

دیکھیں یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جو ہم کہتے ہیں آپ کی طرح ثابت موقعوں میں سماع خرق عادت نہیں مانتے بلکہ عادت اور قانون مانتے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مولوی صاحب نے ادھوری تحریر کی ہے حضرت گنگوہی فرماتے ہیں: "مسئلہ سماع موتی کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں۔ حسب قاعدہ مرجح جانب عدم سماع ہے۔ الحاصل ارجح مذہب عدم سماع ہے پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے۔ (لطائف رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۶۷۶، ۶۷۷)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ (۱) حضرت گنگوہی کے نزدیک مسئلہ سماع موتی میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے اختلاف چلا آرہا ہے ان کا عدم سماع پر کوئی اجماع (سکوتی) نہیں ہوا (۲) مسئلہ سماع موتی میں اختلاف راجح مرجوح کا ہے کفر و اسلام اور توحید و شرک کا اختلاف نہیں ہے (۳) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عدم سماع زیادہ راجح ہے یعنی ترجیح سماع کو بھی دی جا سکتی ہے مگر ارجح عدم سماع ہے (۴) مردوں کے سننے کا مذہب بھی ضعیف یا باطل نہیں بلکہ قوی

مذہب ہے، یہ چاروں باتیں مولوی صاحب کے رسالہ کے خلاف ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ بن حنبل کا حوالہ: کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ (تکملہ المجموع شرح المہذب ص ۹۰ جلد ۱۸) میں ہے امام احمد سے کسی نے پوچھا کہ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا، اگر اس نے مرنے کے بعد کلام کی، کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟ تو امام صاحب نے فرمایا نہیں ٹوٹے گی کیونکہ فرمان اللہ تعالیٰ کا ہے ما انت بمسمع من في القبور۔ (اعلان حق اول ص ۱۷، ۱۸)

جواب: یہ کتاب ہمارے پاس نہیں اور ان شاء اللہ مولوی صاحب کے پاس بھی نہ ہوگی یہ ناقل ہیں، مولانا نیلوی صاحب کی کتاب سے اس حوالہ کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ امام احمد رحمۃ اللہ نے صرف اتنی بات فرمائی کہ اگر آواز دیا ہوا میت یا غائب یا بے ہوش یا وہ بہرہ ہے جو اپنے ساتھ گفتگو کو نہیں جانتا تو قسم اٹھانے والا حانث نہ ہوگا، اس سے آگے امام احمد رحمۃ اللہ نے کچھ نہیں فرمایا جب کہ حنبلی حضرات میں سے قاضی ابوبکر وغیرہ نے فرمایا کہ میت کو آواز دینے سے حانث ہو جائے گا کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں سے کلام کی ہے اور ان کو آواز دی ہے اور ما انتم باسمع لما اقول منھم فرمایا ہے۔ پھر تکملہ کے مصنف رحمۃ اللہ نے اپنی طرف سے قاضی ابوبکر کی اس بات پر اعتراض بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: و ما انت بمسمع من في القبور سے اس پر اعتراض پڑتا ہے، پھر اس کا تکملہ والے نے کوئی جواب دیا یا نہ؟ آگے عبارت نیلوی صاحب بھی نہیں بتاتے، شاید کوئی چھپا راز کھل جائے (دیکھیں احسن العقائد ص ۱۰) تو ثابت ہوا کہ امام احمد نے اس کی کوئی وجہ نہیں بیان فرمائی نہ عدم سماع اور نہ آیت پڑھی اس لئے امام صاحب کے ذمہ لگانا گھڑنتو بات ہے، حانث نہ ہونے کی وجہ وہی ہے کہ میت سے کلام کرنے کو کلام نہیں کہتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کا حوالہ: کہتے ہیں (المغنی لابن قدامہ ص ۸۳۰ جلد ۸) میں امام شافعی کے بارے میں یہی کچھ لکھا ہوا ہے کہ میت سے کلام کرنے سے قسم نہیں ٹوٹتی، اس کی دلیل نقل فرمائی، و ما انت بمسمع من في القبور۔" (اعلان حق ص ۱۸)

اس کے متعلق بھی نیلوی صاحب کی کتاب سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ نے صرف مسئلہ بیان فرمایا، آگے دلیل نہیں دی، پھر امام ابوبکر سے حانث ہونا ذکر کر کے ان کا حدیث قلیب بدر سے استدلال ذکر کیا، پھر خود ابن قدامہ نے حانث نہ ہونے کی دلیل اپنی طرف سے و ما انت بمسمع من في القبور بیان کی ہے، (احسن العقائد ص ۱۰) اس لئے امام احمد و شافعی رحمۃ اللہ کے ذمہ یہ لگانا کہ انہوں نے اس آیت سے عدم سماع موتی پر استدلال کیا غلط بیانی ہے۔

الجامع الصغیر کے حوالہ میں جھوٹ: ایسے ہی مولوی صاحب نے جو لکھا کہ امام محمد اپنی کتاب الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ کوئی قسم اٹھائے کہ میں فلاں کے ساتھ کلام نہیں کروں گا اس کے مرنے کے بعد اس کے ساتھ کلام کرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ کلام سے مراد اس کو سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس کے منافی ہے۔ (ص ۱۸)

تو امام محمد رحمۃ اللہ کی اصل عربی عبارت میں وہ الفاظ جو مولوی صاحب کا مستدل ہیں موجود نہیں ہیں، ایسا ہی الجامع الکبیر میں یہ مسئلہ ذکر ہے مگر وجہ ذکر نہیں، مولوی صاحب نے بہت سے مواقع میں حوالوں میں اپنی طرف سے پیوند کاری کی ہے۔

آیت میں تشبیہ کی صورت: مولوی صاحب نے سماع موتی کے قائلین کا یہ سوال ذکر کیا کہ آیت میں کفار مراد ہیں مردے مراد نہیں، کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی تو جیسے کفار سنتے ہیں مردے سنتے ہیں، پھر اس کے جواب میں کہا کہ تشبیہ کی صورت یہ ہے کہ استعارہ کی صورت میں مشبہ میں وجہ شبہ ادعاء اور مشبہ بہ میں حقیقۃً ہوتی ہے تو یہاں کفار

اور مردوں میں وجہ شبہ عدم سماع ہے تو مطلب ہے کہ مردے حقیقۃً اور کفار ادعاءً نہیں سنتے، جیسے کفار کو بہروں سے تشبیہ دی گئی تو مطلب ہے کہ بہرے حقیقۃً اور کفار ادعاءً نہیں سنتے اور اندھوں سے تشبیہ دی گئی تو مطلب ہے کہ اندھے حقیقۃً اور کفار ادعاءً نہیں دیکھتے، اس تقریر کے مطابق آیت سے مردوں کا نہ سننا ثابت ہے یہی تقریر لطائف رشیدیہ میں ہے، (علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۳۵) میں اور خازن نے تفسیر میں کی ہے۔ (اعلان حق ص ۲۱، ۲۲)

جواب: یہ درست ہے کہ استعارہ کی وہی تقریر ہے جو مولوی صاحب نے کی ہے کہ اس تشبیہ کے مطابق مردے بھی نہیں سنتے اور کفار ادعاءً نہیں سنتے مگر دونوں میں جس سماع کی نفی ہے وہ سماع نافع ہے، مطلب یہ ہے کہ مردے حقیقۃً سماع نافع نہیں کر سکتے اور کفار ادعاءً سماع نافع نہیں کر سکتے مردے حقیقۃً اس لئے کہ اب جو نصیحت بھی سنیں اس پر عمل کے جہان سے چلے گئے ہیں، تو (بے عمل اور بے ایمان مردے) عمل نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں، تو سماع نافع واقعۃً منفی ہے اور چونکہ کفار ابھی دار العمل میں ہیں اس لئے ان کے لئے سماع نافع ممکن تو ہے مگر ان کا سماع نافع ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے اس لیے ان سے سماع نافع محض ادعاءً منفی ہے نہ کہ حقیقۃً منفی ہے، اس توجیہ کی تائید اور ثبوت اسلاف کی اس قسم کی عبارات سے ہے۔

(۱) ''وانما شبهوا بالموتى على ماقيل لعدم تأثرهم بما يتلى عليهم من القوارع'' (کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی کیونکہ جو وعیدات ان پر پڑھی جاتیں ان سے متاثر نہ ہوتے تھے)۔ ''او شبهوا بالموتى لانهم لا ينتفعون بما يتلى عليهم (یا اس لئے کہ ان پر جو پڑھا جائے اس سے نفع نہیں اٹھاتے) (روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۹) سماع تدبر و قبول (مراد ہے) (روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۸۶) ''لا تسمعهم سماعاً ينفعهم و قد ينفي الشيء لانتفاء فائدته و ثمرته'' (یعنی آپ ﷺ ان کو نفع والا سننا نہیں سنا سکتے، کبھی شئی کا فائدہ اور ثمرہ منتفی ہونے سے شئی کی نفی کر دی جاتی ہے) (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۶)

(۲) ''المنفى هو الاسماع دون السماع، وتقريره ان الآية تنفى السماع الذي يترتب على الاسباب'' (سنانے کی نفی ہے سننے کی نہیں ہے، وضاحت یہ ہے کہ وہ سماع منفی ہے جو اسباب پر مرتب ہو (صرف اسباب کے ذریعہ نہیں سن سکتے بلکہ اسباب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے سنتے ہیں) (فیض الباری ج ۲ ص ۴۷) ''وهو بظاهره يدل على النفى مطلقاً فقيل بالفرق بين السماع والاسماع و المنفى هو الثاني دون الاول'' (بظاہر مطلقاً سماع کی نفی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ سماع اور اسماع میں فرق ہے اور نفی اسماع کی ہے سماع کی نہیں) ''واجاب عنه السيوطي وآية النفى معناها سماع هدى'' (امام سیوطی نے جواب یہ دیا کہ نفی سماع سے سبب ہدایت بننے والے سماع کی نفی مراد ہے) ''فليس الغرض منه نفي السماع بل نفي الانتفاع، قلت عدم السماع والسمع والاستماع كلها بمعنى عدم العمل'' (تو غرض آیت سے سماع کی نفی نہیں نفع اٹھانے کی نفی ہے، میں کہتا ہوں سماع، سمع، استماع سب ایک معنی میں ہے یعنی عمل نہ کرنا) (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷، ۴۶۸)

(۳) ''لا تقدر على اسماعهم اسماعاً ينتفعون به'' (یعنی آپ وہ سنانا نہیں سنا سکتے جس سے نفع حاصل کریں) (کتاب الروح ص ۶۵)

(۴) ''فان السماع يطلق ويراد به ادراك الكلام وفهمه ويراد به ايضا الانتفاع به والاستجابة له والمراد بهذه الآيات نفي الثاني دون الاول'' (سماع بول کر کلام کا ادراک اور سمجھنا بھی مراد ہوتا ہے اور سماع سے نفع حاصل کرنے اور قبول کرنے کا سننا بھی مراد ہوتا ہے یہاں دوسرا معنی مراد ہے پہلا مراد نہیں) (احوال القبور ص ۱۳۵)

(۶،۵)''و النفی منصب علی نفی النفع لا علی مطلق السمع أو علی نفی الجواب المترتب علی السمع ''(نفع کے سننے کی نفی ہے مطلق سننے کی نفی نہیں، یا قبول کرنے کی نفی ہے جو سننے پر مرتب ہوتا ہے)

(التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۶۹، مرقات ج ۷ ص ۴۷۵)

(۷)''ای لا تفھمھم لکونھم کالموتی'' (یعنی آپ ان کو نہیں سمجھا سکتے کیونکہ وہ مردوں کی طرح ہیں) (مفردات الراغب ص ۲۴۹)

(۸)ومراد بسماع عدم اجابت است (سننے (کی نفی) سے مراد قبول نہ کرنا ہے) (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۲۱)

(۹) سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ (الکشف ۶۴۱، بیان القرآن ج ۸ ص ۹۶)

(۱۰) آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۳۱)

ان سب عبارات کا حاصل یہ ہے کہ آیات میں سنانے کی نفی ہے سنے کی نفی نہیں، یعنی آپ یا کوئی اور مردوں کو نہیں سنا سکتا اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے سنا سکتا اور سناتا ہے، اگر سنانے کی نفی سے سننے کی نفی بھی مانیں تو سماع قبول اور سماع نافع کی نفی ہوگی کہ کافر قبول نہیں کر سکتے، مردے بھی قبول نہیں کر سکتے اور عمل نہیں کر سکتے تو مردوں سے مطلقاً سماع کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

ایک بہترین قابل غور نکتہ: جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی کہ نبی کریم ﷺ نے قلیب بدر کے مقتول مشرکین کے گڑھے میں ڈالے جانے کے تین دن بعد ان سے خطاب کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انھم لیسمعون الآن ان ما کنت اقول لھم حق'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۷) بے شک وہ ابھی سن رہے ہیں کہ جو میں کہتا ہوں وہ حق ہے۔

یہ حدیث سن کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''انما قال النبي لا نھم الآن لیعلمون ان الذي کنت اقول لھم ھو الحق ثم قرأت انك لا تسمع الموتی حتی قرأت الآیۃ'' (ج ۲ ص ۵۶۷) حضور ﷺ نے تو یہ فرمایا ہوگا کہ وہ ابھی جان رہے ہیں کہ میں جو ان کو کہا کرتا تھا وہ حق ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت انک لا تسمع الموتی تلاوت فرمائی۔

اس روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اجتہاد سے حضرت ابن عمر کی حدیث کو آیت کریمہ کے خلاف سمجھا اور حدیث کے الفاظ میں تاویل کی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت سے مردوں کا نہ سننا سمجھا ہے (جس کا جواب گزر چکا ہے) اسی مضمون کی روایت کو مسند احمد میں ذکر کیا گیا تو وہاں یہ بات ذکر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو خطاب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی آواز سنی تو عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اتنادیھم بعد ثلاث؟ وھم یسمعون؟ یقول اللہ عز و جل انک لا تسمع الموتی، فقال و الذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع منھم ولکنھم لا یستطیعون ان یجیبوا'' (مسند احمد ح ۱۴۱۱۰) یا رسول اللہ کیا آپ ان کو تین دن کے بعد آواز دے رہے ہیں؟ کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انک لا تسمع الموتی؟ تو فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو (تم اور وہ سننے میں برابر ہو) لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انک لا تسمع الموتیٰ سے مردوں کا نہ سننا سمجھتے تھے اس لیے آیت پیش کر کے کلام کرنے پر اشکال عرض کیا تو آپ نے اپنے فرمان میں ان مردوں کا سماع بیان کیا، پھر سماع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اشکال نہیں کیا گویا حضور نے ظاہر فرمایا کہ یہ آیت مردوں کے سننے کے خلاف نہیں، اس

آیت میں ہے کہ میں (نبی) نہیں سنا سکتا اللہ تعالیٰ ہی سنا سکتے اور سناتے ہیں اور قلیب بدر والوں نے بھی سنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سنا ہے۔ اس لیے آیت سے مردوں کا نہ سننا ثابت نہیں ہوتا، اس اسلوب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اگر اپنا اشکال حضور کے سامنے رکھتیں تو آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بھی مردوں کے سن سکنے کو بیان فرماتے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی رائے کو حضور کے سامنے نہیں رکھا تو آیت سے عدم سماع موتی سمجھیں، بہر حال حضور کے فرمان سے ظاہر ہوا کہ آیت مردوں کے سن لینے کے خلاف نہیں ہے، چاہے جو توجیہ بھی کریں یا مراد کا فرلیں یا سماع نافع کی نفی مراد لیں یا یہ کہ اسماع کی نفی سے سماع کی نفی نہیں ہوتی یا یہ کہ آیت میں ہے کہ تمہارے سنانے سے نہیں سنتے اور احادیث سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سن لیتے ہیں۔

یاد رہے کہ مولوی عبداللہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پوری پڑھی نہیں اس لیے نئے ایڈیشن میں لکھتے ہیں: ''یہ موقع تھا کہ (حضور ﷺ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاح فرماتے کہ ہر مردہ سنتا ہے آپ کو اشکال کیسے پیدا ہو گیا۔'' (ص ۴۱)

بات قلیب بدر والوں کی تھی تو آپ نے جواب میں قلیب والوں کا زندوں کے برابر سننا بیان فرما دیا، نہ ہر مردہ کے سننے کے متعلق سوال تھا نہ جواب میں ہر مردہ کے سماع کی بات کی ضرورت تھی، مگر جواب میں مردوں کے سن لینے کا سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہ سننے کا عقیدہ رکھنا رسول اللہ کی مخالفت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہرگز نہیں ہو سکتی، اس لیے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی صاحب کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مردوں کے عدم سماع کے قائلین میں ذکر کرنا بالکل غلط بیانی ہے۔ (احسن العقائد ص ۵۹)

<u>آیت کے شان نزول میں حضرت ابن عباس کی روایت</u>: مولوی صاحب نے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن کے ص ۲۵ میں لکھا ہے کہ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیات قلیب بدر کے موقعہ پر نازل ہوئی ہیں۔

<u>جواب</u>: اگر آیات ''انك لا تسمع الموتی'' وغیرہ کا نزول قلیب بدر والوں کے بارے میں ہوتا تو اس موقع پر حضور ﷺ کے خطاب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آیت انك لا تسمع الموتی کیسے پڑھتے؟ ان کا پڑھنا صاف دلیل ہے کہ یہ آیات اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھیں، پھر اسی واقعہ کی حضرت ابن عمر کی روایت سن کر اس کے خلاف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ آیت کیسے پڑھتیں؟ معلوم ہوا کہ یہ آیات واقعہ قلیب بدر سے پہلے نازل ہو چکی تھیں نہ یہ کہ اس موقع پر نازل ہوئیں، (یہ آیات مکی ہیں اور واقعہ قلیب بدر مدنی ہے)

تفسیر درمنثور میں بحوالہ تفسیر ابن مردویہ حضرت ابن عباس کی روایت کے راوی آپ کے دوست کلبی اور ابوصالح ہیں جن کے متعلق آپ بھی لکھتے ہیں: ''ابوصالح والکلبی اور محمد بن مروان السدی صغیر سب متروک الحدیث راوی ہیں۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۲۹۴، اعلان حق ص ۳۸)

تو جناب نے مطلب کی خاطر طبقہ ثالثہ سے اوپر کے طبقہ رابعہ کے درجہ کی کتاب تفسیر ابن مردویہ کا حوالہ دینے کی تکلیف فرمائی، آپ کے باٹ قوم شعیب والے ہیں دینے کے لئے اور اور لینے کے لئے اور ہیں۔

نیز اسی روایت کو سامنے رکھ کر نیلوی صاحب کا بھی حضرت ابن عباس کو منکرین سماع موتی میں شامل کرنا غلط بیانی ہے۔ (احسن العقائد ص ۵۹)

باقی مولانا بشیر الدین قنوجی کا کہنا کہ اس قسم کی روایات حضرت اوس اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے بھی منقول

ہیں، تو جب تک جناب باسند پیش نہ کریں، دلیل بنانے کا حق نہیں، روایت حدیث کی کتاب سے بیان کی جاتی ہے، قنوجی کی کتاب کس طبقہ حدیث میں داخل ہے؟ مولانا بشیر الدین آپ کی طرح آزاد خیال کے غیر مقلد اور اپنے کو درجہ اجتہاد پر بٹھانے والے آدمی ہیں، وہ آپ کو مبارک ہوں علماء دیوبند کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری دلیل: (۲) ''انما یستجیب الذین یسمعون و الموتی یبعثھم اللہ ثم الیہ یرجعون'' بے شک وہ جواب دیتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو اللہ زندہ کرے گا پھر اس کی طرف پھیرے جائیں گئے۔

اس آیت سے بھی مولوی صاب نے مردوں کا نہ سننا ثابت کیا ہے لیکن خود مولوی صاحب نے وضاحت میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جو آیت کی وہ تفسیر ظاہر کرتے ہیں جو مولوی صاحب کے مطلب کے خلاف ہے لکھتے ہیں: ''یعنی آپ کی تبلیغ کا فائدہ ان کو ہوسکتا ہے جو سنتے ہیں جو کافر مردوں کے حکم میں آچکے ہیں آپ کی تبلیغ سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔'' (اعلان حق ص ۲۲)

معلوم ہوا کہ اگر آیت میں سماع کی نفی مان لی جائے تو سماع نافع کی نفی ہے مطلق سماع کی نفی نہیں ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے تحت یہی فرماتے ہیں: ''والمراد بالسماع الفرد الکامل و ھو سماع الفھم و التدبر'' (روح المعانی ج ۷ ص ۱۴۱) یہاں سماع سے فرد کامل یعنی تدبر و فہم والا سماع مراد ہے اور موتی سے کافر مراد ہے۔''

یعنی مطلق سماع کی نفی نہیں سماع خاص کی نفی ہے جو نہ کافروں میں ہے نہ مردوں میں ہوسکتا ہے یعنی اب تدبر کرسکیں ایسا نہیں ہوسکتا ہے، مولوی صاحب کی تقریر کے مطابق مردوں سے سماع تدبر کی نفی حقیقۃ ہے اور کافروں سے ادعاء ہے، مطلق سماع بہر حال منفی نہیں ہے۔

علامہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال الزجاج یعنی یسمع سماع قابل'' (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۴۸۳) امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں قبول کرنے والے کا سماع مراد ہے۔''

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الذین یسمعون سماع تفھم واعتبار والموتی ای الکفار شبھھم بھم فی عدم السماع'' (جلالین) بس وہی قبول کرتے ہیں جو سماع تفہم وسماع عبرت سے سنتے ہیں اور جو مردے ہیں یعنی کافر، ان کو مردوں کے ساتھ (خاص) سماع نہ ہونے میں تشبیہ دی ہے۔''

پہلے ''الذین یسمعون'' میں جس سماع کا ذکر ہوا ''عدم السماع'' میں السماع پر الف لام تعریف داخل کر کے اسی خاص سماع کو مراد لیا ہے یعنی کفار مردوں کی طرح ہیں سماع تفہم وسماع اعتبار نہ کرسکنے میں۔

آیت: ''انک لا تسمع الموتی'' کی تفسیر جامع البیان میں ہے: ''ای الکفار فانھم کالموتی فی عدم الانتفاع بما یستمعون'' (ص ۳۳۴) موتی سے کفار مراد ہیں کہ وہ مردوں کی طرح ہیں سنے ہوئے سے نفع نہ اٹھانے میں۔''

معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نے جامع البیان کا جو حوالہ دیا ہے اس میں سماع کی نفی سے مراد سماع نافع کی نفی ہے۔

بہر حال اس آیت میں بھی سماع تدبر کی نفی ہے کافروں اور مردوں سے، کافروں سے نفی ادعاء اور مردوں سے نفی حقیقۃً ہے۔

فائدہ: مولوی صاحب اور ان کے تقریظیں لکھنے والوں کو علم نحو سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اس موقع پر جامع البیان کے حوالے سے جو عبارت اور اس کا ترجمہ لکھا گیا ہے وہ سراسر ترکیب نحوی کے خلاف ہے عجیب بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں بھی یہی غلطی ہے عبارت اور صحیح ترجمہ یوں ہے ''الکفار الذین کالموتی لا یسمعون'' وہ کفار جو مردوں کی طرح ہیں نہیں سنتے۔

ترکیب نحوی کے اعتبار سے الکفار مبتداء، موصوف الذین کالموتی صفت ہے۔ (موصوف صفت مل کر

مبتداء) لایسمعون مبتداء کی خبر ہے، مولوی صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے الکفار کو مبتداء، الذین موصول کے بعد کالموتی لایسمعون پورے کو صلہ بنا کر خبر بنایا (جب کہ خبر جملہ میں الکفار مبتداء کے عائد بھی نہ رہا) اور الموتی کو موصوف اور لایسمعون کو صفت بنا دیا (حالانکہ صفت جملہ ہو تو اس میں بھی عائد ضروری ہے اور یہاں عائد نہیں) اور ترجمہ کیا ''کفاران مردوں کی طرح ہیں جو نہیں سنتے۔'' (اعلانِ حق ص ۲۲ طبع اول)

فائدہ: تفسیر ابو السعود اور رازی کے حوالہ سے مولوی صاحب نے عبارت لکھی ہے ''لاسبیل الی استماعھم '' ان کے سننے کی کوئی صورت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ استماعھم کی ضمیر مضاف الیہ کافروں کی طرف راجع ہے نہ کہ مردوں کی طرف کہ کافروں کے سن لینے کی کوئی صورت نہیں، قیامت میں کھڑے ہوں گے تب سنیں گے، ان تفاسیر کو اٹھا کر ملاحظہ کر لیں یہی اور اس سے بڑھ کر غلط بیانی اس کے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی صاحب نے بھی کی ہے۔ (احسن العقائد) تفسیر کشاف میں بھی اسی طرح کی عبارت ہے اور استماعھم یا استماعہ کی ضمیر کا مرجع کافر ہیں، نہ کہ مردے۔

تیسری دلیل: مولوی صاحب نے تیسری دلیل یہ آیت پیش کی ہے: ''ان تدعوھم لا یسمعوا دعائکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم'' اگر تم ان معبودوں کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنتے اگر سن بھی لیں تو تمہاری فریاد رسی نہ کر سکیں اور قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا انکار کریں گے۔ (خط کشیدہ عبارت کسی کلمہ کا ترجمہ نہیں) یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو نیک لوگوں کو بتوں کے ذریعے یا قبر کے ذریعے یا غائبانہ طور پر پکارتے ہیں، فرمایا کہ وہ بزرگ بغیر اسباب کے نہیں سنتے اور پکار سننے کا قیامت کے دن انکار کریں گے، کہ کسی کو بغیر اسباب کے پکارنا اور عقیدہ رکھنا کہ وہ سنتا ہے اس شرک کا انکار کریں گے، یہی تفسیر مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری اور روح المعانی والے نے کی ہے۔ (اعلانِ حق ص ۲۳)

جواب: اولاً آیت پکار کے بارے میں ہے اور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس درود وسلام اور مسلمان میت کو سلام عرض کرنا ہرگز نہیں، ورنہ نہ تو عام مردوں کو ''السلام علیکم یا اھل القبور'' کہنے کی اجازت دی جاتی، نہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر سلام کی اجازت ہوتی، اس لیے درود وسلام جب پکار نہیں تو آیت میں درود وسلام سننے نہ سننے کی کوئی بات نہیں، صرف پکار نہ سننے کی بات ہے اور پکار نہ سننا یا تو اس وجہ سے ہے کہ پکار نزدیک سے نہیں ہوتی دور سے ہوتی ہے (جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے عرض کیا ''اقریب ربنا فنناجیہ ام بعید فننادیہ؟'' کیا ہمارا رب قریب ہے تو ہم اس سے سرگوشیاں کریں گے، یا دور ہے تو ہم اس کو پکاریں گے؟ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱۸)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے قریب ہونے کی صورت میں لفظ نناجی ک (کان میں آہستہ بات کرنا) بولے ہیں اور دور ہونے کی صورت میں لفظ ننادی (پکارنا) استعمال کئے ہیں معلوم ہوا کہ پکارنے کی اصل صورت دور سے ہوتی ہے نہ کہ نزدیک سے) تو آیت میں فرمایا گیا کہ تم جو دور سے پکارتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے ہیں، اگر بالفرض سنیں بھی تو تمہاری پکار پر مدد کو نہیں پہنچ سکتے اور ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ آپ اور انبیاء علیہم السلام دور سے نہیں سنتے، ہاں بطور معجزہ سن لینا خرق عادت اور بحث سے خارج ہے۔

ثانیاً: اگر بالفرض ہر طرح سننے کی نفی مان لی جائے تو مراد یہ ہے کہ وہ مشغولیت کی وجہ سے مشغول ہونے کے وقت نہیں سنتے ہاں اس وقت سن سکتے ہیں، جب ادھر توجہ ہو اور مشغولی نہ رہے اور چونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی امتی مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف کر دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کے سلام کا

جواب دیتا ہوں، تو اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے وقت آپ کی توجہ دوسری مشغولیت سے ہٹا کر سلام کی طرف کر دیئے جانے کی وجہ سے آپ سنتے ہیں ایسے ہی احادیث کے مطابق دوسرے مردے بھی توجہ سے سن لیتے ہیں، تو آیت اس کے خلاف ہرگز نہیں اور یہی تفسیر حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کر رہے ہیں: "بانہ جماد لیس من شانہ السماع ھذا اذا کان الکلام مع عبدۃ الاصنام ویحتمل ان یکون مع عبدتھا وعبدۃ الملائکۃ وعیسی وغیرھم من المقربین وعدم السماع حینئذ اما لان المعبود لیس من شانہ ذالک کالاصنام واما لانہ فی شغل شاغل وبعد بعید عن عابدہ کعیسی علیہ السلام وروی ھذا عن البلخی او لان اللہ عزوجل حفظ سمعہ من ان یصل الیہ مثل ھذا الدعاء لغایۃ قبحہ وثقلہ علی سمع من ھو فی غایۃ العبودیۃ للہ سبحانہ" (روح المعانی ج۲۲ص۱۸۲) یا اس لیے نہیں سنتے کہ جماد ہیں سننا جس کی شان سے نہیں ہے، یہ اس وقت تفسیر ہے جب یہ خطاب بت پرستوں کو ہو جب کہ یہ بھی احتمال ہے کہ بت پرستوں کو بھی خطاب ہو اور فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ مقربین کی عبادت کرنے والوں کو بھی خطاب ہو تو پھر بتوں کے حق میں نہ سننا اس لیے ہے کہ سننا ان کی شان نہیں اور بتوں کے علاوہ فرشتوں اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کا نہ سننا اس لئے ہوگا کہ وہ ایک مشغولی میں اور اپنی عبادت کرنے والے دور ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، یہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یا اس لیے نہیں سنتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی پکار کے سننے سے ان کے کان محفوظ کئے ہیں کیونکہ یہ انتہائی برا کام ہے اور جو اللہ کا بندہ بندگی میں اونچے درجہ پر ہو اس کے کانوں پر بھی یہ بوجھ ہے (جس سے ان کو تکلیف ہوگی اور دوسرے جہاں میں جہاں ان کو راحت حاصل ہے یہ تکلیف ہونا راحت کے خلاف ہے اس لیے اللہ نہیں سناتے اور کیا کوئی مماتی کہہ سکتا ہے کہ درود وسلام بھی باعث تکلیف ہے؟)

اس عبارت سے بات پورے طور پر واضح ہوگئی ہے کہ صرف بت ہیں جن کی شان نہیں کہ سنیں، بتوں کے سوا مقربین کا حال ایسا نہیں ہے کہ سننا ان کی شان نہ ہو بلکہ خارجی رکاوٹیں نہ سننے کا باعث بن سکتی ہیں مثلاً ان سے دور ہونا رکاوٹ ہے، ایسے ہی وہ بات جس سے انہیں تکلیف ہو سکے اس بات کا باعث تکلیف ہونا بھی سننے سے رکاوٹ ہے اور ان کو حاجت روائی مشکل کشائی اور نفع نقصان کے لیے پکارنا بھی تکلیف کا باعث ہونے کی وجہ سے سننے سے مانع ہے کیوں کہ ان حضرات کو دنیا میں غیر اللہ کی پکار سے نفرت وتکلیف ہوتی تھی تو اب بھی سن کر تکلیف ہوگی اس لیے خود اللہ تعالیٰ سماع سے رکاوٹ ڈال دیتے ہیں اور نہیں سننے دیتے، ورنہ وہ خود سننے کی صلاحیت وقوت رکھتے ہیں تو اس سے صرف پکار نہ سننا ثابت ہوا کیونکہ باعث تکلیف ہے اور درود وسلام کا سننا چونکہ باعث تکلیف ہی نہیں اس لیے اس کا نہ سننا ثابت ہی نہیں ہوتا، محض ضد کر جانے کا علاج نہیں ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقربین کا آیت میں داخل ہونا محض احتمالی ہے یقینی نہیں ہے، تو جناب مولوی صاحب! یہ آیت جناب کے عقیدہ کے ثبوت میں قطعی الدلالت نہیں ہے محض ظنی ہے اور غیر محتمل نہیں محتمل ہے تو فرمایئے پھر نص ظنی الدلالہ اور آیت محتملہ سے جناب کا عقیدہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے جب کہ عقیدہ کے باب میں دلیل قطعی ہی ضروری ہے؟ بس وہ شرط صرف ہمارے لئے مولوی صاحب اور اس کی جماعت نے بطور ہتھیار رکھی ہوئی ہے مولوی صاحب کا اپنا عقیدہ تو بے سند روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے اس کے لئے سند کی بھی ضرورت نہیں چہ جائے کہ قطعیت ضروری ہو۔

فائدہ: اس آیت کی تفسیر میں اس کو بتوں سے متعلق ٹھہراتے ہوئے امام قرطبی نے لکھا: "لا یسمعوا دعاءکم لانھا جمادات لاتبصر ولا تسمع" وہ پکار نہیں سنتے کیونکہ وہ جماد ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔

اس عبارت کو مماتیوں کے شیخ الحدیث محمد حسین نیلوی صاحب نے مردوں کے حق میں فٹ کیا اور ساری بات مردوں کے متعلق ٹھہرا کر امام قرطبی کو مردوں کے نہ سننے کا عقیدہ رکھنے والا ٹھہرا کر دھوکہ دیا ہے (احسن العقائد ص ۶۸) امام قرطبی کے عقیدہ کو سمجھنے کے لئے ان کی کتاب التذکرہ ملاحظہ کریں معلوم ہو جائے گا کہ مماتیوں کے چھوٹے بڑے کتنی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔

چوتھی دلیل: کہتے ہیں حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ جو تیسرے پارے میں ذکر ہے جو سو سال مردہ حالت میں رہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کم لبثت؟ آپ کتنی دیر رہے ہیں، فرمایا لبثت یوماً او بعض یوم میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل لبثت مائۃ عام آپ سو سال رہے ہیں، حضرت عزیر اس جہاں میں سو سال رہے اس کو اپنے حالات کا پتہ نہیں، حالانکہ سورج کا نکلنا بادلوں کا گرجنا اوقات کے گزرنے کا پتہ ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور دلیل کے فرمایا کہ جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس جہاں میں جا کر انبیاء علیہم السلام ہمارے کلام وسلام سنتے ہیں ان کے لئے حضرت عزیر علیہ السلام دلیل ہیں۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ فرماتے ہیں: ''اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے۔'' (اعلان ص ۲۳، ۲۴)

جواب: مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ مفسر کے درجہ میں نہ تھے ان کا درجہ مفسرین سے ناقل کا ہے اور یہ تفسیر وہ کسی مفسر سے نقل نہیں کرتے اس لئے اس تفسیر کی حیثیت خبر واحد ضعیف جتنی بھی نہیں، چہ جائے کہ قطعی ہو اور عقیدہ قطعیہ کا اثبات کرے، مولوی صاحب کو آیات قرآنیہ کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے کم از کم خدا سے خوف کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی وہ مراد بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہی نہیں ہے، کیا حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کے وقت حیات النبی اور سماع عند القبر کے مسئلے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کے واقعہ کو سماع کے انکاریوں کی دلیل کے طور پر وفات دے دی اور سماع ثابت کرنے والوں پر حجت قائم فرمائی؟ پھر اللہ تعالیٰ کا سوال یہ تھا کہ کتنی مدت تم یہاں رہے ہو؟ آپ علیہ السلام کو مدت کا علم نہ تھا جس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں رہنے والوں کو قیامت کے دن برزخ کی مدت معلوم نہ ہوگی (تفسیر کشف الرحمن مولانا سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ چنانچہ ایک جگہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کم لبثتم في الارض عدد سنين زمین میں تم کتنے سال رہے ہو؟ وہ وہی جواب دیں گے جو حضرت عزیر علیہ السلام نے دیا لبثنا یوماً او بعض یوم ہم ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہے ہیں، بلکہ قرآن مجید سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ کافروں کو اپنے دنیا میں رہنے کی مدت بھی معلوم نہ ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: '''کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحھا'' (نازعات) جس دن قیامت کو دیکھیں گے ایسا سمجھیں گے کہ (دنیا میں) نہ رہے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح۔

تو جب ان کو دنیا کی مدت کی خبر نہ ہوگی تو کیا وہ دنیا میں سننے دیکھنے اور سمجھنے والے نہ تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ کسی ایک طرف کی مشغولی آدمی کو دوسری طرف سے غافل کر دیتی ہے نوجوان کی شادی کی پہلی رات کا وقت اس کو چند لمحے معلوم ہوتا ہے حالانکہ کئی گھنٹے گزر گئے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ وقت سے غافل ہوتا ہے مگر وقت سے غفلت اس کے سماع وحیات وغیرہ کی نفی کی دلیل نہیں بنتی، حضرت عزیر علیہ السلام بھی دوسرے جہاں کی نعمتوں اور عطایا الٰہی میں مشغول ہونے کی وجہ سے وقت نہ جانتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم بالا میں مستغرق ہوتے ہیں لیکن جب امتی صلاۃ وسلام پڑھے تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سلام کی طرف کر دیتے ہیں تب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم باخبر ہوتے ہیں ایسے ہی دوسرے مسلمان مردوں کو اللہ تعالیٰ متوجہ کرتے ہیں اور سن لیتے ہیں۔

مولوی صاحب کہتے ہیں ان کو بادلوں کا گرجنا معلوم نہ تھا مولوی صاحب ہی مہربانی کر کے ارشاد فرمائیں

یہ آیت کے کس جملہ کا ترجمہ یا مطلب ہے؟ یا کس حدیث میں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ان سے بادلوں کی گرج بھی پوچھی تھی؟ یہ سب مولوی احمد سعید کی تقریر ہے جو مولوی صاحب نقل کر رہے ہیں قرآنی مراد نہیں اور یہاں مولوی صاحب کو تفسیر عثمانی میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ بھی دیکھنے چاہیئے تھے کہ وہ فرماتے ہیں: ''سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آ کر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی'' الخ (تفسیر عثمانی ص ۵۵)

تو جناب! جب وہاں کوئی نہیں آیا تو آپ کو کس اسرائیلی یا یہودی نے آ کر خبر دی کہ میں نے انہیں آواز دی تھی اور انہوں نے نہ سنا تھا نہ جواب دیا تھا؟ شاید کسی اسرائیلی ذہن نے یہ بات ڈال دی اور تم لوگوں نے اسے پلے باندھ لیا ہے۔

یہاں ہم مودبانہ عرض کریں گے کہ جو سوال اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام سے کیا وہی سوال ہم جناب مولوی صاحب سے کرتے ہیں کہ جناب والا! آپ تو ابھی زندہ ہی ہیں مرے نہیں اور سنتے بھی ہیں، تو آپ اپنے متعلق ہی ارشاد فرمایئے کم لبثت آپ دنیا میں اب تک کتنے دن رہے ہو؟ چلو بلوغت کے بعد کے دن ہی بتا دیجئے، مگر خیال: ہمارے سوال کے بعد اپنی زندگی کے دنوں کا کاغذ قلم سے یا حساب دانی کے آلات سے حساب کر کے نہ بتانا فوری جواب دیجئے؟؟ جب آپ جواب نہیں دے سکتے تو کیا ہم یہی کہہ دیں کہ جناب اب تک مردہ تھے اور اب تک نہ سنتے تھے؟ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے بعد کی زندگی کے دنوں کی تعداد بھی جناب والا کو یاد رہ کر جناب زندہ اور سننے والے ہوں گے یا نہیں؟ تو جب جناب کی لاعلمی عدم سماع کی دلیل نہیں، تو حضرت عزیر علیہ السلام کی لاعلمی کیوں عدم سماع کی دلیل ہے؟ بار بار سوچ کر جواب دیجئے گا۔

پانچویں دلیل: ''یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا'' جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا سو پوچھے گا تم کیسے مانے گئے؟ وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں، تو ہی علام الغیوب ہے۔ (ص ۲۴)

انبیاء فرمائیں گے ہمیں (وفات کے بعد) کوئی علم نہیں نہ کلام سنا نہ سلام نہ دور کا نہ نزدیک کا (اعلان حق ص ۲۶)

اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں لیکن سب سے بے غبار تفسیر یہ ہے کہ تمہاری وفات کے بعد تمہیں لوگوں نے کیسے مانا؟ کوئی کہتا ہے ہمارے حالات جانتے ہیں، ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمارا سلام سنتے ہیں ہمیں اس معاملہ میں کوئی علم نہیں کون ہمارے قبر پر آیا کس نے سلام کیا؟ الخ (ص ۲۴)

جواب: مولوی صاحب نے آیت کی یہ تفسیر ایسے بیان کی ہے جیسے مجلس وعظ میں بیٹھے ہوں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے لئے استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ازالۃ الریب کا حوالہ بھی دیتے ہیں، اگر آیت کی تفسیر یہی ہوتی تو خود ازالۃ الریب والے عقیدہ سماع کیوں رکھتے تھے، ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوگا کہ آیت کا تعلق عند القبر سماع سے بھی ہے، وہ فرماتے ہیں:

حضرات مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اگرچہ یہ معلوم تھا کہ ہماری حیات میں فلاں فلاں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا تھا اور ہمارا دین قبول کیا تھا لیکن ان کو پورے طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں سے کون اس پر قائم رہا اور کس کا انجام کیسا ہوا اور کس نے کیا، کیا نئی بدعات نکالیں، اس لئے وہ فرمائیں گے کہ لاعلم لنا ہم کو ان کے انجام اور ہماری وفات کے بعد کے حالات کا علم نہیں ہے اور جزا سزا کا تعلق خاتمہ ہی سے ہے۔

اس قول سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد ان کی امتوں پر جو جو احوال طاری ہوئے ان کا تفصیلی علم ان کو نہ تھا۔ (ازالۃ الریب ص ۱۹۶)

اس پوری عبارت سے صاف عیاں ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد کے امتیوں کے حالات سے بے خبری کا اظہار کریں گے تو ایسے حالات کے تفصیلی علم سے بے خبری کا اظہار ہوگا جو قبروں سے دور رہ کر اپنے طور پر لوگ کرتے ہوں گے اور یہ بالکل تحریف معنوی ہے کہ اس میں کل حالات مراد ہیں جن میں عند القبر کا حال بھی داخل ہو، نہیں تو م از کم وہ تو یقیناً مستثنیٰ ہوگا جس کو حضور ﷺ اپنے ارشاد سے مستثنیٰ کر رہے ہیں یعنی قبر کے پاس سلام سننا وغیرہ مولوی صاحب نے جو اس کو بھی لاعلمی میں گھسیڑ دیا تو بتائیں آیت میں یا حدیث میں کہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے قبر کے پاس کا حال پوچھ رہے ہوں گے؟ صرف اور صرف ایک حدیث متواتر نہ سہی خبر واحد صحیح بلکہ ضعیف کا یا قول صحابی یا تابعی یا تبع تابعی کا صریح حوالہ دیجئے۔

اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف معنوی کرتے ہوئے اکابرین کی عبارات میں بھی مولوی صاحب کو اپنی طرف سے بین القوسین اس قسم کے الفاظ بڑھانے پڑے ان کے پیچھے جو کچھ (سلام وکلام) ہوتا رہا (طبع دوم ص ۳۵) کوئی اس مولوی صاحب سے پوچھے کہ یہ بین القوسین لفظ آپ نے کیوں بڑھائے ہیں؟ اکابر کی عبارات میں اس قسم کے الفاظ صاف دکھائیں اور انعام لیں، قارئین یہ ہے ان کا قرآن اور یہ ہیں ان کی عدم سماع موتی وعدم سماع انبیاء علیہم السلام پر قطعی دلیلیں، غور فرمائیں کہ یہ قطعیات ہیں یا تحریفات؟

فائدہ: مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کی طرف صلاۃ وسلام کے سماع کی جو نسبت ہے یہ غلط ہے، ہم اس کے بارے میں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب دامت برکاتہم نے مولوی عطاء اللہ بندیالوی وغیرہ جیسوں کے اس قسم کے پروپیگنڈا کے جواب میں مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کر کے آنکھوں کو روشن کریں اور ان اندھوں پر دھول جھونکیں۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے تیسری فصل قائم کر کے بزعم خود سماع موتی کی نفی کی احادیث پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

عدم سماع موتیٰ پر احادیث سے دلائل اور جواب

پہلی دلیل: (۱) کہتے ہیں صاحب قبر اگر کوئی نیک ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: ”نم کنومة العروس الذي لا یو قظه الا احب اهله حتی یبعثه الله من مضجعه ذالك“ (رواہ الترمذی، مشکوۃ ص ۲۵) سو جا جیسے دلہن، جس کو صرف محبوب شخص جگائے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کرے گا، جو نیند میں ہو وہ جاگنے سے پہلے نہیں سنتا مردہ کو (سوئے شخص سے) تشبیہ دی گئی ہے وہ بھی زندہ ہونے تک نہیں سنتا۔ (اعلان ص ۲۵)

جواب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو مکمل ذکر کیا جائے کیونکہ یہ حدیث ہمارے خلاف تو نہیں مگر مولوی صاحب کے مسلک کی جڑ کاٹتی ہے: ”عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله اذا اقبر الميت او قال احدكم اتاه ملكان اسودان ازرقان يقال لاحدهم المنكر والأخر النكير فيقولون ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول ما كان يقول هو عبدالله ورسوله اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله فيقولون قد كنا نعلم انك تقول هذا ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعا في سبعين ثم ينور له فيه ثم يقال له نم فيقول ارجع الى اهلي فاخبرهم فيقولان نم كنومة العروس الذى لا يوقظه الا احب اهله حتى يبعثه الله من مضجعه ذالك، وان كان منافقا قال سمعت الناس يقولون فقلت مثله لا ادرى فيقولان قد كنا نعلم انك تقول

ذالک فیقال للارض التنمی علیه فتلتئام علیه فتختلف اضلاعه فلا یزال فیها معذبا حتی یبعثه الله من مضجعه ذالک'' (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد روایت کرتے ہیں کہ جب میت یا تم میں سے کوئی قبر میں رکھا جاتا ہے اس کے پاس دو فرشتے کالی اور نیلی آنکھوں والے آجاتے ہیں ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ وہ وہی کہے گا جو دنیا میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ کے مستحق عبادت ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے رسول اور بندہ ہونے کی گواہی دیتا ہوں، وہ کہتے ہیں ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا، پھر اس کی قبر ستر در ستر گز وسیع کردی جاتی ہے اور روشن کردی جاتی ہے پھر اس کو کہا جاتا ہے سوجا، وہ کہتا ہے میں گھر واپس جا کر ان کو حال بتلاتا ہوں فرشتے کہتے ہیں سو جا جیسے دلہن سوتی ہے جس کو بس اس کے گھرانے کا محبوب بندہ ہی جگاتا ہے سونے کا یہ حکم قیامت کے دن اپنی اسی آرام گاہ سے اللہ تعالیٰ کے اٹھانے تک ہے اور اگر میت منافق ہو تو وہ کہتا ہے کہ میں لوگوں سے جو سنا کرتا تھا وہی کہتا تھا مجھے معلوم نہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا، تو زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس پر سمٹ جا، تو اس پر زمین سمٹ جاتی ہے اور اس کی پسلیاں آپس میں گھس جاتی ہیں، قیامت کے دن اسی رہنے کی جگہ سے اس کو اٹھانے تک وہ عذاب میں رہے گا۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ (۱) (اقبر المیت) قبر وہی ہے جس میں میت دفناتے ہیں (۲) منکر نکیر اسی دفن گاہ قبر میں میت (جسم) کے پاس آتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کے پاس آنا اور اس سے سوال و جواب اس کے علم و شعور ادراک و حیات کی واضح دلیل ہے کیونکہ روح نہیں سوتی میت یعنی جسم سوتا ہے تو باقی یہ سب حال بھی اسی جسم سے متعلق ہے اور اگر جسم نہیں ہوتا تو یہ سب حال بھی جسم کے لئے نہیں ہوتا روح کے لئے ہوتا ہے مگر مولوی صاحب سونا جسم کے لئے مانتے ہیں تو باقی حال جسم کے لئے کیوں نہیں مانتے روح کے لئے کیوں مانتے ہیں جب کہ اس تفریق کی کوئی دلیل نہیں ہے؟ تو یہ حدیث جسم عنصری کی زندگی اور روح کے جسم سے تعلق کی واضح دلیل ہے (۳) جس قبر میں سوال و جواب ہوتا ہے وہی قبر مؤمن کے لئے وسیع ہوتی ہے اور کافر کے لئے تنگ ہوتی ہے کیونکہ پسلیاں جسم عنصری کی سمجھ آتی ہیں اور ارض قبر کی زمین ہے۔ اس سے جسم عنصری کے عذاب و راحت میں ہونے کا بھی ثبوت ہے جس سے جسم عنصری کے ساتھ روح کا تعلق ثابت ہوتا ہے۔ (۴) قیامت تک میت کو اسی قبر میں عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ (۵) یہ قبر مضجع لیٹنے کی جگہ ہے اس میں مومن سویا ہوا راحت میں ہوتا ہے اور کافر عذاب میں ہوتا ہے (۶) جب میت نیند میں ہے اور سویا ہوا مکمل زندہ نہیں ہوتا نہ مکمل مردہ ہوتا ہے تو میت کو بھی قبر میں ایک قسم کی زندگی حاصل ہوتی ہے وہ نہ دنیا و آخرت کی طرح کامل زندگی کے ساتھ زندہ ہے نہ موت کے وقت کی (روح کلیۃً نکل جانے کی) طرح مردہ ہے۔ (۷) جیسے نیند میں روح قبض ہوجاتی ہے مگر قوی تعلق جسم عنصری سے ہوتا ہے موت کے بعد بھی روح قبض رہتی ہے مگر خاص تعلق جسم عنصری سے بھی رہتا ہے (۸) جیسے نیند والے کی توجہ اللہ تعالیٰ کسی آواز کی طرف کرتے ہیں تو سن لیتا ہے توجہ نہ ہو تو نہیں سنتا میت بھی (اور میت کی کیا تخصیص بعض اوقات زندہ بھی اسباب ہوتے ہوئے) اللہ تعالیٰ کی مشیت اور توجہ کے بغیر نہیں سنتا جہاں سننا آیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ توجہ پھیرتے ہیں اور سن لیتا ہے، یہ باتیں مولوی صاحب کے مسلک کے خلاف ہیں۔ باقی مولوی صاحب کا بالکلیہ سماع کی نفی کا استدلال غلط ہے کیونکہ سویا ہوا مثلاً آلارم سن کر اٹھتا ہے، نہ کہ اٹھ کر آلارم سنتا ہے۔ وغیرہ!

اس حدیث پاک کی تشریح میں حضرت علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ تقریر کا ذکر کرنا موزوں لگتا ہے وہ فرماتے ہیں: ’’یستفاد منہ ان القبور معطلۃ عن الاعمال مع ان کثیر من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عن الدارمی و قرأۃ القرآن عند الترمذی والحج عند البخاری و راجع لہ شرح الصدور للسیوطی وھکذا فی القرآن۔ فی سورۃ یٰس من بعثنا من مرقدنا فھذا یدل علی انہ لا احساس فی القبر و کلھم نائمون وفی آیۃ اخری النار یعرضون علیھا غدا و عشیا فھذا تدل بخلافہ والوجہ فیہ عندی ان ھذا البرزخ تختلف علی حد اختلاف عمل العاملین فی حیاتھم فمنھم نائمون فی قبورھم ومنھم متلذذون فیہ‘‘ (فیض الباری ج ۱) اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبریں اعمال سے خالی ہیں حالانکہ بہت سے اعمال کرنا قبروں میں ثابت ہے جیسے سنن دارمی میں اذان و اقامت اور ترمذی میں قرآن مجید (سورہ ملک) پڑھنا اور بخاری میں موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام وغیرہم انبیاء علیہم السلام کا) حج کرنا ذکر ہے اس بحث کے لئے امام سیوطی کی شرح الصدور کی طرف رجوع کرو، ایسے قرآن مجید میں سورہ یٰس میں قبر کو نیند کی جگہ فرمایا جب کہ دوسری آیت میں ہے کہ ان کو صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے، تو یہ نیند کے برخلاف ظاہر کرتی ہے، میرے نزدیک اس میں تطبیق یہ ہے کہ دنیا میں عمل کرنے والوں کے عمل مختلف ہونے کے اعتبار سے برزخ مختلف ہے کوئی تو اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہیں اور کوئی قبروں میں لذتوں سے لطف اندوز ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قبر والے کا حال نیند کا نہیں ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’ولھا تعلق بجسدہ ایضاً تعلقاً کلیاً بحیث یقرأ القرآن فی قبرہ ویصلی ویتنعم وینام کنومۃ العروس وینظر الی منازلہ فی الجنۃ بحسب مقامہ و مرتبتہ فامر الروح واحوال البرزخ والآخرۃ کلھا علی خوارق العادات فلا یشکل شیء منھا علی المؤمن بالآیات‘‘ (مرقات ج ۴ ص ۸۶ کوئٹہ) روح کا اس طرح اپنے جسم سے پورا پورا تعلق رہتا ہے کہ میت قبر میں قرآن مجید بھی پڑھتا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے اور نعمتیں بھی حاصل کرتا ہے اور دلہن کی طرح سوتا بھی ہے اور اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق جنت میں اپنی منزلیں بھی دیکھتا ہے، تو روح کے اور برزخ و آخرت کے حالات کے سب معاملات خلاف عادات ہیں تو احکام الٰہی ماننے والے مؤمن کو ان میں سے کسی بات پر اشکال نہیں ہوسکتا۔‘‘

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر میت نیند میں ہوتا ہے مگر اس کے باوجود برزخ کے دوسرے سب حالات بھی پیش آتے ہیں، تو سلام سننا اور جواب دے سکنا بھی ہوتا ہے ہاں مگر اللہ تعالیٰ کے متوجہ کرنے سے سنتا ہے، لہٰذا جہاں جہاں سننا ثابت ہے وہاں اللہ تعالیٰ سناتے ہیں۔

(۲) اس حدیث سے مولوی صاحب کا استدلال قیاس سے ہے کہ جب حدیث میں میت کو قبر میں سویا فرمایا گیا تو میت سوئے کی طرح ہے جیسے سویا نہیں سنتا میت نہیں سنتا، یہ قیاس ہے اور قیاس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، نیز قیاس بھی غلط ہے کیونکہ سویا بھی توجہ ہونے سے سن لیتا ہے مردہ بھی سن لیتا ہے۔

(۳) یہ حدیث امام ترمذی کے بقول غریب ہے اور غریب حدیث کے متعلق مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ: ’’امام احمد فرماتے ہیں کہ غریب حدیثوں سے بچو، امام مالک فرماتے ہیں بدترین علم غریب حدیث ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جس نے غریب حدیث کو طلب کیا وہ جھوٹا ہے۔‘‘ (اعلان حق طبع دوم ص ۵۱)

یعنی پھر آپ بھی جھوٹے ہوئے۔

دوسری دلیل: لکھتے ہیں: ''وہ تمام احادیث جن میں ارواح موتی علیین اور جنت میں جانے کا ثبوت ہے۔ جب روحیں یہاں نہیں تو سماع کیسے، اگر دور سے سن لیتی ہیں تو بغیر اسباب کے سنا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یا جسم کے ساتھ اس کا تعلق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے روح سنتی ہے تو اس کے لئے دلیل قطعی قرآن وحدیث سے ہونی چاہئے اس باب میں اقوال حجت نہیں۔'' (اعلان حق ص ۲۵)

جواب: یعنی اگر روح کا جسم سے تعلق ثابت ہو جائے تب میت کے سماع کا عقیدہ درست ہوگا، تو ہمارے علم میں روح کا جسم سے تعلق ثابت ہے تو سماع بھی ثابت ہے، اس تعلق کے ثبوت کی انتظار کریں روحوں کے جسموں سے تعلق والی بحث کے آخر میں ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

تیسری دلیل: ''وہ احادیث جن میں خود پیغمبر علیہ السلام نے دیکھا تمام زانیوں کو ایک تنور میں عذاب دیا جا رہا ہے، جو معذب ہو وہ کیسے سن سکتا ہے۔'' (اعلان حق ص ۲۶،۲۵)

جواب: یہ روحیں نہیں تھیں بلکہ زانیوں کو عذاب ہونے کی مثالی صورت دکھائی گئی ہے، کہ آپ کی امت میں جو زنا کریں گے ان کو یوں سزا ہوگی، ورنہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ وہ لوگ ہوں جو حضور ﷺ کے یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر گئے پھر متعین کریں کہ وہ کون ہو سکتے ہیں؟ مکہ کے کافر یا حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم؟ اور وہ دونوں نہیں ہو سکتے تو ماننا پڑے گا کہ یہ محض مثالی صورتیں تھیں۔ باقی جو میت عذاب میں مبتلاء ہو وہ سن لیتا ہے یا نہ؟ باقاعدہ کسی حدیث میں ایسی تصریح نہیں ملی تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ قلیب بدر والے کافر مردوں نے اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سن لیا تو عذاب میں مبتلاء کا بھی اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سننا ممکن ہے، محض امتناع بالغیر لازم آئے گا اور امکان بالذات تو موجود ہوگا اور ہمارا ایمان ہے کہ جن باتوں کا سننا نصوص سے ثابت ہے وہاں اللہ تعالیٰ مردوں کی توجہ ادھر کرتے ہیں تب ہی سنتے ہیں۔

حضور ﷺ کے نزدیک سے نہ سننے کے دلائل: قبر اطہر کے نزدیک آپ ﷺ کے سلام نہ سننے کے جو دلائل مولوی صاحب نے دیئے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ انہیں اس عقیدہ کے دلائل کہا جا سکے، اس کے لئے مولوی صاحب نے اس باب کی چوتھی فصل قائم کی ہے اس کے تحت ذکر کردہ دلائل اور جواب ملاحظہ ہوں:

پہلی دلیل: (۱) ''یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالو الا علم لنا'' جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا سو پوچھے گا تم کیسے مانے گئے، وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں، تو ہی علام الغیوب ہے (ص ۲۴) انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے ہمیں (وفات کے بعد) کوئی علم نہیں نہ کلام سنا نہ سلام نہ دور کا نہ نزدیک کا۔ (اعلان ص ۲۶)

اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں لیکن سب سے بے غبار تفسیر یہ ہے کہ تمہاری وفات کے بعد تمہیں لوگوں نے کیسے مانا کوئی کہتا ہے ہمارے حالات جانتے ہیں، ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہمارا سلام سنتے ہیں، ہمیں اس معاملہ میں کوئی علم نہیں کون ہمارے قبور پر آیا کس نے سلام کیا؟ الخ! (ص ۲۴)

جواب: اس آیت کا جواب اوپر ذکر ہو گیا دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں، مولوی صاحب نے تکرار سے کام لیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں قبروں سے دور اپنی اپنی جگہ کئے جانے والے کرتوتوں سے لاعلمی کا اظہار کریں گے، قبر کے پاس کے حالات کا کچھ ذکر نہیں، اگر مولوی صاحب بضد ہوں تو (مولانا نور محمد تونسوی صاحب سے مطالبہ کی طرح) ہم مولوی صاحب سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آیت کی تفسیر کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا امام مجتہد سے صحیح نہیں بلکہ ضعیف سند سے ہی ثابت کر دیجئے۔

دوسری دلیل: (۲) ''بخاری شریف ص ۲۳۷ ج ۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کچھ لوگوں کو حوض کوثر کی بائیں جانب سے پکڑا جائے گا تو میں کہوں گا کہ میرے ساتھی ہیں، تو کہا جائے گا یہ لوگ پھر گئے تھے، تو میں وہی بات کہوں گا جو نیک بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم فلما توفیتی کنت انت الرقیب علیھم الایہ'' میں حق کی گواہی دیتا رہا جب تک ان میں رہا، جب تو نے مجھے وفات دے دی تو ہی ان کا نگران تھا مجھے ان کا کوئی پتہ نہیں۔ معلوم ہوا آپ امت کے ہر قسم کے اعمال کے علم کی نفی فرمائیں گے خواہ سلام ہو یا کلام نزدیک سے ہو یا دور سے۔'' (اعلان ص ۲۶)

جواب: یہ حدیث اوپر کی آیت کی وضاحت کرتی ہے کہ آپ ﷺ ان بدعات کرنے والے اور مرتد ہوجانے والے امتیوں کی بدعات اور ارتداد کے تفصیلی علم سے لاعلم ہوں گے، ظاہر ہے کہ ان امتیوں نے یہ بدعات کوئی قبر نبوی پر حاضری کے وقت تو نہیں کی ہوں گی اور نہ وہاں کسی کو کرنے کی جرأت ہوسکتی ہے، وہ بدعات تو ہر کوئی اپنے مقام پر کرتا رہا، اس لئے آپ ﷺ کو ان کا تفصیلی علم نہیں ہوگا یا ان بدعتیوں کی ذات کو آپ ﷺ نے نہیں پہچانا ہوگا، اس کا اور کچھ مطلب نہیں ہے بدعتیوں کی طرح مولوی صاحب نے عموم کو خوب کھول کر عندالقبر صلاۃ وسلام کو بھی کھینچ تان کر خواہ مخواہ گھسیڑ دیا، مولوی صاحب کے اس تحریفی مطلب نکالنے پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے بس اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ آمین!

تیسری دلیل: (۳) کہتے ہیں: (مختصراً) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ مجھ پر درود پڑھو تمہارا درود پہنچتا ہے جہاں بھی تم ہو، حدیث شریف کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ قبر کے نزدیک ہو یا دور آپ ﷺ پر پڑھا جانے والا درود شریف آپ تک پہنچتا ہے۔ اس حدیث میں واضح ثبوت ہے کہ قبر مبارک کے نزدیک پڑھا جانے والا درود شریف آپ ﷺ نہیں سنتے بلکہ آپ تک پہنچ جاتا ہے۔ (اعلان حق ص ۲۷، ۲۶)

جواب: اوّلاً عقیدہ کے ثبوت کے لئے حدیث متواتر کا اپنا قانون جناب بھول گئے اور اخبار آحاد پلے باندھنا اور پیش کرنا شروع کردیں، اس حدیث کا متواتر ہونا ثابت کیجیے۔

ثانیاً: جناب کو اس روایت سے دلیل لینا درست ہی نہیں کہ اس روایت کا راوی عبداللہ بن نافع الصائغ متکلم فیہ ہے امام احمد فرماتے ہیں صاحب حدیث نہ تھا تنگی حدیث کا شکار تھا، ابوحاتم کہتے ہیں حدیث محفوظ کرنے والا نہیں ہے اس کے حافظہ میں کمزوری تھی البتہ اس کا لکھا ہوا درست ہوتا تھا، امام بخاری کہتے ہیں اس کے حافظہ میں کمزوری تھی، ابواحمد حاکم کہتے ہیں محدثین کے نزدیک حدیث محفوظ کرنے والا نہ تھا خلیلی کہتے ہیں کہ محدثین اس کے حافظہ سے خوش نہ تھے البتہ ثقہ ہے (تہذیب التھذیب ج ۴ ص ۱۹۱، ۱۹۲) امام احمد فرماتے ہیں، حدیث میں قوی نہ تھا۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۱۳، المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۵۷۴)

ثالثاً: یہاں پھر آپ نے مفہوم مخالف کی ڈنڈی مارتے ہوئے مطلب یہ نکالا کہ جب درود پہنچتا ہے تو مطلب ہے کہ سنتے نہیں، حالانکہ پہنچنے کا معنی ہی یہ ہے کہ دور سے پہنچتا ہے، نزدیک کی بات ہی نہیں، جیسے آپ کا دوست آپ کو ملے تو اس کو آمنے سامنے ہو کر سلام کرتے ہو تو وہاں یہ نہیں کہتے کہ آپ کو میرا سلام پہنچا اور نہ یہ کہا جاتا ہے اور جب دوست دور ہو اور آپ کسی کے ذریعہ سلام بھیجو تو کہتے ہو کہ فلاں کو میرا سلام پہنچانا اور پھر ملاقات پر اس کو کہتے ہو آپ کو میرے سلام پہنچے تھے یا نہ؟ جناب والا پہلے اردو محاورات تو سیکھ لو، اردو محاورے نہ جانیں تو عربی کیا جانیں وہ تو اردو سے بھی دور ہے، بہرحال اس حدیث میں دور کی بات فرمائی گئی ہے نہ کہ نزدیک کی بات۔

چنانچہ علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ انہی احادیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''و بما تقرر في هذه الاحاديث علم انه تبلغه الصلاة و السلام عليه اذا صدرا من بعد ويسمعهما اذا كانا عند قبره الشريف بلا واسطة'' (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۳) ابھی جو احادیث ذکر ہوئیں ان سے معلوم ہوا کہ جب درود وسلام دور سے پڑھے گئے ہوں تو پہنچتے ہیں اور جب قبر شریف کے پاس پڑھے جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ سنتے ہیں۔

حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی احادیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''انه قد ثبت من صلّى عليه نائياً بلغه و من صلّى عليه عند قبره سمعه'' (شرح الشفاج ۳ ص ۵۲۳) اور یہ ثابت ہے کہ جو دور سے درود شریف پڑھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے اور جو قبر شریف کے پاس پڑھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں۔

امام طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فانه يسمعها اى اذا كانت بالقرب منه، و تبلغ اليه اى يبلغها الملك اليه اذا كان المصلي بعيداً'' (حاشیہ علی المراقی ص ۴۴۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تو سنتے ہیں جب قریب سے درود شریف پڑھا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک فرشتہ پہنچاتا ہے جب درود پڑھنے والا دور ہو۔

علامہ خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فهي دائماً تعرض عليه بواسطة الملك الا عند روضة فيسمعها بحضرته'' (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۶۰ طبع مکتبہ الشیخ کراچی) درود شریف ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ کے واسطہ سے پیش ہوتا ہے، مگر روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فعلم ان ما امر الله به من ذالك فانه يبلغه و اما من سلم عليه عند قبره فانه يرد عليه'' (الصارم المنکی ص ۱۸۸ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

معلوم ہوا کہ جس درود شریف کا اللہ نے حکم فرمایا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے لیکن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام عرض کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (سن کر) جواب دیتے ہیں۔ ان سب اکابرین نے ان احادیث کا یہی مطلب لیا ہے کہ پہنچنا دور سے ہوتا ہے اور قریب سے سننا ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل: (۴) کہتے ہیں: ''حسن بن حسن بن علی نے ایک شخص کو بار بار قبر مبارک پر آتے ہوئے دیکھ کر یہ حدیث سنائی اور فرمایا تو اور جو شخص اندلس میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے میں برابر ہے، دونوں کا درود شریف پہنچتا ہے سننے کی بات نہیں، آٹھویں صدی کے مایہ ناز مفسر امام ابن کثیر نے اس حدیث کو اس واقعہ کے ساتھ اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے''۔ (اعلان حق ص ۲۷)

جواب: یہ روایت بھی متواتر تو کیا جناب کے اصول جرح و تعدیل کے مطابق بھی خبر واحد صحیح بھی معلوم نہیں ہوتی، (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۵) میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے (القول البدیع ص ۱۶۱ میں) تو اس کو بلا سند ذکر کیا ہے، البتہ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کی (الصارم المنکی ص ۱۴۴) سے اس کی سند معلوم ہوئی کہ اس کو حضرت امام سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالعزیز بن محمد سے انہوں نے سہیل بن ابی سہیل سے روایت کیا ہے کہ امام حسن نے اسی سہیل کو قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر آتے جاتے دیکھا تو حدیث سنائی اور اپنی طرف سے یہ فرمایا: ''ما انتم و من بالاندلس منه الا سواء'' تم اور اندلس میں رہنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت میں برابر ہو۔

اس کی سند کے راوی (۱) عبدالعزیز بن محمد بن عبید دراوردی کے متعلق امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صدوق غيره القوى منه'' سچا راوی ہے مگر اس کا غیر اس سے زیادہ قوی ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اذا حدث من حفظه يهم ليس هو بشيء جاء ببواطيل و اذا حدث من كتابه فنعم'' یہ اپنے حافظہ سے بیان

کرے تو وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بے حیثیت راوی ہے، باطل روایتیں لاتا ہے ہاں جب کتاب سے دیکھ کر بیان کرے تو ٹھیک ہے (اور یہ ثابت کرنا مستدل کے ذمہ ہے کہ انہوں نے یہ روایت کتاب سے دیکھ کر بیان کی) اور ابو حاتم فرماتے ہیں کہ: ''لا یحتج بہ'' اس سے حجت نہیں لی جاسکتی، امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں سئی الحفظ خراب حافظے والا راوی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۶۳۳، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۳۳، ۶۳۴) علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''صدوق کان یحدث من کتب غیرہ فی خطی'' سچا راوی ہے لیکن دوسروں کی کتابوں سے بیان کرتے ہوئے غلطی کر لیتا تھا۔ (تقریب ج ۱ ص ۱۰۷) ابن حبان کہتے ہیں غلطی کیا کرتا تھا، عجلی کہتے ہیں سچا اور امین تو ہے مگر بہت وہم میں مبتلاء ہونے والا ہے۔ کثیر الوہم!　　(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۵۸)

(۲) سہیل بن ابی سہیل راوی کون ہے؟ کتب اسماء الرجال جو پاس موجود ہیں ان میں ہمیں اس کا حال اور تذکرہ نہیں ملا تو یہ مجہول راوی ہے (۳) حسن بن حسن بن علی نبی کریم ﷺ سے براہ راست روایت بیان کر رہے ہیں اور ان کا نبی کریم ﷺ سے سماع نہیں ہے، ممکن ہے اپنے آباء سے سنی ہو اور ممکن ہے کہ کسی اور سے سنی ہو تو روایت منقطع بھی ہے، تو جناب کے دعوے تو بڑے اور دلیل ایسی سند والی روایت! کچھ مطابقت بھی ہے؟

یاد رہے کہ اس روایت میں یہ لفظ ''سننے کی بات نہیں'' مولوی صاحب کی اپنی پیوند کاری ہے روایت کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔

<u>امام زین العابدین رحمۃ اللہ کا حوالہ</u>: مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شیعہ سنی دونوں کے متفقہ بزرگ ہیں، اس حدیث کے معنی فرماتے ہیں کہ صلوۃ وسلام آپ ﷺ براہ راست نہیں سنتے صرف پہنچایا جاتا ہے۔ (الصارم المنکی، اعلان حق ص ۲۸)

<u>جواب</u>: یہاں بھی مولوی صاحب نے پوری خیانت اور غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ علامہ ابن عبد الہادی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ امام علی بن حسین (زین العابدین رحمۃ اللہ) نے فرمایا میں تمہیں ایک حدیث سناؤں جو میں نے اپنے والد سے عن جدی سنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا تتخذوا قبری عیدا و لا بیوتکم قبورا فان تسلیمتکم یبلغنی اینما کنتم'' (الصارم المنکی ص ۱۱۱) میری قبر کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ بے شک تمہارا سلام جہاں بھی تم ہو مجھے پہنچتا ہے۔

دیکھیں! اس روایت میں کہاں لفظ ہیں کہ آپ ﷺ سلام نہیں سنتے لفظ ''صرف'' کون سے کا معنی ہے؟ پھر اس روایت کی سند کے راویوں کی تحقیق کی جائے تو (۱) جعفر بن ابراہیم (من اولاد ذی الجناحین) مجہول ہے جس کا تذکرہ کتب اسماء الرجال میں نہیں مل رہا اور (۲) علی بن عمر بن حسین مستور الحال ہے (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۷۰۰) تو جناب کی ڈینگیں بڑی اونچی ہیں اور ثبوت ضعیف روایات سے دیتے ہیں۔ فیا سبحان اللہ!

<u>حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کا حوالہ</u>: آپ فرماتے ہیں یہ حدیث ہے کہ میری قبر کو عیدگاہ نہ بناؤ تم درود بھیجو تمہارا درود نزدیک اور دور سے پہنچتا ہے۔ (یعنی سننے کی بات نہیں) اور فرمایا اس حدیث صحیح میں واضح اشارہ ہے کہ (قبر سے نہیں سنتے) بلکہ درود پہنچتا ہے۔　　(البلاغ المبین ص ۱۵)

<u>جواب</u>: اولاً البلاغ المبین شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی نہیں ہے غیر مقلدوں وغیرہ جیسے لوگوں نے کئی کتابیں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی طرف منسوب کر کے شائع کر دیں جن میں سے ایک البلاغ المبین بھی ہے۔

(مقدمہ شرح الفوز الکبیر مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ)

ثانیاً: پہنچنے کا ذکر ہے سننے نہ سننے کا کچھ ذکر نہیں، جناب اپنی طرف سے قرآن وسنت اور اقوال علماء میں مفہوم مخالف کی ڈنڈی مار کر مطلب نکالتے ہیں اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حال اوپر ظاہر ہو گیا ہے، مولوی صاحب خواہ مخواہ ضعیف روایت کو صحیح بنانے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، نبی کریم ﷺ کے نزدیک سے نہ سننے کے ثبوت کی بس یہی حدیثیں مولوی صاحب کی دلیل ہیں، اب علماء کے اقوال میں شروع ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: لکھتے ہیں: (حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ) اپنے مایہ ناز فتاوی کفایت المفتی ص ۱۴۳ کے کتاب العقائد میں فرماتے ہیں:

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ جب درود شریف پڑھا جاوے تو آنحضرت ﷺ بذات خود سنتے ہیں اور پڑھنے والے کو پہچانتے ہیں (حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں، سوال کی طرز بتا رہی ہے کہ قبر کے نزدیک سے پڑھے جانے والے درود شریف کے متعلق سوال ہے)

جواب: حضور اکرم ﷺ کا بذات خود درود شریف سننا ثابت نہیں ملائکہ سیاحین کے ذریعہ آپ کو درود شریف پہنچایا جاتا ہے (اگر سننے کی بات ہوتی یہاں ضرور فرماتے کہ قریب سے سنتے ہیں) (ص ۲۷، ۲۸)

جواب: مولوی صاحب نے اپنا سہارا تلاش کرنے کے لئے کیسی کیسی حاشیہ آرائی کر کے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ غلط بات لگا دی، عبارت میں نہ سوال میں قبر کے پاس کا لفظ ہے نہ جواب میں، سوال ہندوستان والا ہندوستان میں پڑھے ہوئے درود شریف کے بارے میں کرتا ہے نہ کہ قبر کے پاس پڑھے جانے والے درود شریف کا سوال کرتا ہے، پھر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملائکہ سیاحین کے ذریعہ پہنچائے جانے کی بات کر کے ظاہر کرتے ہیں کہ ملائکہ سیاحین کے ذریعہ دور سے پہنچنے کی حدیث صحیح ہے جس کو مولوی صاحب نہیں مانتے اور یہ کہ ملائکہ سیاحین کی ڈیوٹی دور سے درود شریف پہنچانے سے متعلق ہے ورنہ کیا وہ قبر شریف کے پاس ٹہلتے رہتے اور درود پہنچاتے رہتے ہیں؟ پہنچانے کی ضرورت دور سے ہوتی ہے، نیز مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملائکہ سیاحین کی حدیث سے ظاہر کیا کہ درود شریف پہنچنے کا معنی محض رحمت نازل ہونا نہیں ہے جیسا کہ مولوی صاحب کا عقیدہ ہے بلکہ امتی کی طرف سے عرض کیا جاتا ہے کہ فلاں نے درود شریف پڑھا ہے۔

قارئین! ملاحظہ فرمائیں مولوی صاحب کو قبر مبارک کے نزدیک نہ سننے کا صاف حوالہ نہیں ملتا اس لئے حدیث میں بھی اور اکابر کی عبارات میں بھی اپنی طرف سے یعنی یعنی کہہ کر اور حاشیے لگا کر بات نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ نزدیک سے نہ سننے کا ایک بھی صریح حوالہ نہ ان کے پاس ہے نہ ان کی پوری جماعت کے پاس ہے۔

ایسے ہی مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ دور سے پہنچنے کا ذکر کر رہے ہیں نزدیک سے نہ سننے کا کچھ ذکر نہیں کرتے اور ناصر الدین البانی کا حوالہ اشاعتیوں کو ہی مبارک ہو کیونکہ یہ بھی ان کی طرح اکابر سے ہٹے ہوئے اور مجتہد ہونے کے دعویدار غیر مقلد ہیں اور وہ بھی قبر کے پاس سے نہ سننے کی بات نہیں کر رہے بلکہ درود پہنچانے والے فرشتوں کی ڈیوٹی کے ذکر سے ظاہر ہوا کہ دور سے پہنچنے کی بات کر رہے ہیں اور مولوی صاحب ملائکہ کے پہنچانے اور اس کی حدیث کے منکر ہیں۔

استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ کا دعوی اجماع: مولوی صاحب کہتے ہیں: ''ان حوالوں سے مولانا سرفراز صاحب کی اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ فرماتے ہیں کہ امت میں سماع النبی کا کسی نے انکار نہیں کیا بغیر دلیل کے اجماع کا دعویٰ کر دیا۔ ایسی واضح احادیث صحیحہ اور اکابرین کی واضح عبارتوں کے خلاف دعوی اجماع کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔'' (اعلان حق ص ۲۸: ۲۹)

جواب: مولوی صاحب !اگر آپ میں دیانت داری ہوتی تو آپ اقرار کرتے کہ استاد مکرم رحمہ اللہ ایسا دعوی کر گئے ہیں جس کا جواب نہ جناب سے ہوا نہ آپ کے کسی بھی جماعتی سے ان شاء اللہ ہوگا، بتایئے آپ نے کون سا واضح حوالہ دیا ہے جو استاد مکرم رحمہ اللہ کے دعوی کو ہلا سکا ہو؟ دعوی اب بھی موجود ہے اور تا دم موت آپ پر اور دائماً آپ کی جماعت پر قرض رہے گا۔ان شاء اللہ!

پانچویں دلیل: (۵) لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"انی لارجو ان طال بی عمر ان القی عیسی بن مریم (ع) و ان عجل بی موت فمن لقیه فلیقر أمنی السلام" (مسند احمد، درمنثور ص ۲۷۳) اگر میری عمر لمبی ہوئی تو میں امید کرتا ہوں عیسیٰ علیہ السلام کو سلام کروں گا، اگر موت کا فیصلہ پہلے ہو گیا تو امت میں سے جس کو ملے میری طرف سے سلام کہہ دینا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روضہ مبارک میں دفن ہوں گے اگر ہر ایک کے سلام کا جواب دینے کا قانون ہوتا تو آپ یہ وصیت نہ فرماتے۔" (اعلان ص ۲۹)

جواب: مولوی صاحب اپنی طرف سے حدیث میں لفظ بڑھاتے ہیں اور کہتے محمد بن اسحاق کو مکار اور دجال ہیں اور پھر ان لفظوں کا ترجمہ حدیث میں کر دیا یہ "من کذب علی متعمدا" کی وعید میں یقیناً داخل ہے اور مولوی صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط بیانی کر رہے ہیں (عجیب بات یہ کہ دونوں ایڈیشنوں میں یہی کیا) مگر مولوی صاحب کو اس کی کیا پروا؟ مذہب ثابت ہو چاہے جہنم میں جانا بھی پڑے، حدیث میں لفظ ہیں:"ان طال بی عمر ان القی عیسی بن مریم علیه" (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۷ ۳ مسند احمد ح ۷۹۵۷، ۷۹۵۸) اگر میری زندگی دراز ہوئی تو امید ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کروں گا اور اگر جلد موت آگئی تو جس کو ملیں میری طرف سے سلام کہہ دینا۔

مولوی صاحب نے لفظ بنائے "ان القی عیسی بن مریم" (علیہ السلام) یہ بین القوسین الفاظ اپنی طرف سے حدیث میں گھسیڑ کر معنی کیا میں عیسیٰ علیہ السلام کو سلام کروں گا لا حول و لا قوۃ الا باللہ، اگر بالفرض واقعی روایت میں کہیں علیہ السلام کے لفظ لکھے ہوئے ہوں تو یہ راوی نے ان کے لئے دعائیہ کلمہ کے طور پر لکھے ہوں گے نہ یہ کہ یہ فرمان نبوی کا حصہ ہو کر فعل القیٰ کے متعلق ہیں، یہ ہے مولوی صاحب کی علیمت اور دیانت، پھر یہ روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح آئی ہے تو قطعی اور یقینی بات نہ ہوئی کہ یہ فرمان نبوی ہے، موقوف ہو کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہوگا اور اس شبہ کے ساتھ ساتھ حدیث متواتر بھی تو نہیں، جب کہ عقیدہ کے باب میں مولوی صاحب متواتر حدیث ہونا شرط ٹھہراتے ہیں۔

ثانیاً یہ بھی اردو محاورات سے نابلد ہونے کا ثبوت ہے اگر آپ کسی کو کہیں کہ فلاں کو میرے سلام عرض کرنا، تو کیا اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جب اس کی آپ سے ملاقات ہو تو آپ اس کا سلام نہیں سنیں گے؟ افسوس اس سمجھ پر، آدمی کا مطلب تو صرف یہ ہوتا ہے کہ میرا سلام کہہ دینا کیونکہ اس وقت ہماری ملاقات نہیں ہو سکتی ہاں ممکن ہے کہ بعد میں بالمشافہ ملاقات ہو اور ہم ایک دوسرے کو سلام کہہ بھی سکیں اور ایک دوسرے کا سلام براہ راست سنیں بھی، مگر اب سلام میں تم واسطہ بن جاؤ، تو مطلب یہ ہوا کہ جب ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام کہہ دینا اور پھر وہ میری قبر پر جب حاضر ہوں گے تو مجھے وہ سلام عرض کریں گے اور میں جواب دوں گا۔

مولوی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کی حدیث کے راوی محمد بن اسحاق پر جو جرح کی ہے اس کا تفصیلی جواب الصراط السوی میں ذکر ہو گیا ہے، محمد بن اسحاق حسن الحدیث راوی ہے۔

غیر مجتہد کا جاہلانہ قیاس اور قیاسی دلیل: مولوی صاحب نے ذکر کیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے

حضور ﷺ کو آہستہ سے سلام کا جواب دیا مگر حضور ﷺ نے نہ سنا، ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آہستہ بولتے تو حضور ﷺ نہ سنتے آپ ﷺ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تو جب قریب سے اس وقت آپ ﷺ نہ سنتے تھے تو اب کیسے سنتے ہیں؟ یہ مولوی صاحب کی دلیل کا خلاصہ ہے۔ (اعلان حق ص ۲۹)

جواب: شکر ہے کہ مولوی صاحب مجتہد نہیں ہوئے ورنہ ایسے قیاسات خوب ہوتے مولوی صاحب کا قیاس بعینہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ جی جب بیوی اور ماں ایک جیسی ہیں تو دونوں حلال ہوں گی، جب بھینس کی بھی چار ٹانگیں ہیں اور کتیا کی بھی چار تو بھینس کا دودھ حلال ہے تو کتیا کا کیوں حرام ہوگا؟ کہتے ہیں کہ جب دنیا میں نہ سنتے تو قبر میں کیسے سنتے ہیں؟ مولوی صاحب یہ بھی کہہ دیں کہ عالم برزخ جا کر پیشاب پاخانہ بھی کرتے ہوں گے کیونکہ دنیا میں کرتے تھے، جناب یہ قیاسات اپنے پاس رکھو جب خبر واحد عقیدہ کے باب میں نہیں چلتی تو یہ قیاسات کوئی نبی کے قیاسات ہیں کہ چلیں؟ دورنگی دیکھئے، رد کریں تو خبر واحد قبول نہ ہو اور مانیں تو قیاس کام کا بن جائے۔

یہاں بھی حضرت قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات سامنے رہے فرمایا کہ ''اُس جہاں اور اس کے حالات کو دنیا میں موجود اور مشاہدہ کئے ہوئے حالات پر قیاس کرنا کم عقلی اور نادانی ہے (تفسیر بیضاوی آیت ھم فیھا خالدون) مماتی لوگ رسول اللہ ﷺ کی توہین میں کم عقلی اور نادانی میں دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ؟ کہتے ہیں، پتہ نہیں مولانا سرفراز نے مولانا خلیل احمد کی طرف غیر معصوم قول کیوں جڑ دیا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام کیا جائے حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں۔ (تسکین الصدور ۱۹۵) آخر یہ عقیدہ کس حدیث سے لیا۔ (اعلان حق ص ۳۰)

جواب: جناب کو اپنے اسلاف کی سوانح پڑھنے کی توفیق ہو تو حوالہ ملے، تذکرۃ الرشید اور تذکرۃ الخلیل لکھنے والے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حاضر باش خادم حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی جو بے شک معصوم نہ تھے مگر نیکی اور دینداری میں آپ سے آگے ہوں گے اور اسفار حج میں ساتھ ہوتے تھے اور درج ذیل واقعہ ان کا اپنا مشاہدہ ہے، اگر ان کی روایت غلط ہے تو ذرا مولوی صاحب علماء دیوبند کے ایک بزرگ سے ان پر جرح پیش کریں بہر حال وہ لکھتے ہیں: ''مواجہہ شریف کے قریب یا مقابل بھی آپ (حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوف زدہ مودبانہ دبے پاؤں آتے اور مجرم وقیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے، بکمال خشوع صلاۃ وسلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے، زائرین جو بے باکانہ اونچی آواز سے صلاۃ وسلام پڑھتے اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت ﷺ حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ ﷺ کی ایذاء کا سبب ہے، لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے؟ اس کو آں حضرت ﷺ خود سنتے ہیں، ایک صاحب نے اس پر اشکال کیا کہ جسد مبارک تو چند دیواروں میں محفوظ ہے پست آواز سے کس طرح مسموع ہوگی؟ فرمایا یہ اشکال تو چیخنے چلانے کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، اس وجہ سے کہ قبر کے اندر تو کتنا ہی کوئی باہر سے چلائے اور پکارے مگر آواز نہیں پہنچے گی بھائی! یہ تو خصوصیات میں سے ہے جس پر یہاں کا (یعنی دنیا کا) قاعدہ جاری نہیں ہوسکتا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۹۹ طبع مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عقیدہ سماع: اس کے بعد مولوی صاحب نے پانچویں فصل قائم کی اور اس میں اپنے زعم باطل کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے سب مردوں کا چاہے انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیاء یا عام مردے ان کا نہ سننا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

پہلا ثبوت: کہتے ہیں حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں میں حضرت جابر کی موت کے وقت حاضر ہوا عرض کیا میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو سلام پہنچا دینا (مشکوۃ شریف ص ۲۳، ابن ماجہ) یہ مدینہ کا واقعہ ہے اگر براہِ راست آپ ﷺ سنتے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرما دیتے جا کر قبر پر سلام کہہ دو آپ ﷺ بذات خود سن لیں گے میرے پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ (اعلان حق ص ۳۱)

جواب: کیا یہ حدیث متواتر ہے؟ پھر اس سے نہ سننے کا ثبوت جناب مفہوم مخالف سے ثابت کر رہے ہیں حالانکہ مفہوم مخالف یہاں معتبر نہیں ہے نہ قطعیت کا فائدہ دیتا ہے اور نہ عقیدہ میں حجت بن سکتا ہے، جناب! یہاں سلام عرض کرنے کی وہ صورت ہے جو فوت ہونے والا فوت شدہ حضرات سے ملاقات پر عرض کرے، تو حضرت محمد بن منکدر اس انداز کا سلام عرض کرنا کہہ رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ محمد بن منکدر تو فوت نہیں ہو رہے کہ اس انداز کا سلام وہ خود عرض کر سکیں، یا حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان کو عرض کرنے کا کہیں، چونکہ وفات پانے والے جنتی مسلمان کی ملاقات پہلے فوت شدہ مسلمانوں سے ہوتی ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ملاقات بھی رسول اللہ ﷺ سے ہونی تھی اس لئے آپ ﷺ کو سلام عرض کرنے کا کہہ دیا بس، بہر حال جناب کے عقیدہ کے ثبوت میں یہ روایت نہ قطعی الثبوت ہے نہ قطعی الدلالۃ ہے اور ظنی دلیل عقیدہ کے باب میں حجت ہی نہیں۔

دوسری دلیل: کہتے ہیں اگر تمام صحابہ کا عقیدہ ہوتا کہ حضور اکرم ﷺ قبر مبارک میں خود سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں، تو ہر نماز پر قبر مبارک پر ضرور حاضری دیتے حالانکہ ایسا نہیں تھا، صرف عبداللہ بن عمر، جب باہر سے آتے تو سلام کرتے تھے یا کسی نہ کسی وقت کوئی صحابی آ جاتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ سلام سننے کا نہ تھا صرف پہنچنے کا تھا جو وہ ہر وقت حسب موقع صلوۃ وسلام پڑھتے رہتے تھے۔ (اعلان حق ص ۳۱)

جواب: اوّل تو نہ یہ قرآن مجید کی دلیل ہے نہ خبر متواتر یا خبر واحد صحیح کی محض احتمالی اور عقلی و قیاسی دلیل ہے جس سے عقیدہ کا ثبوت نہ ہونا آپ مانتے ہیں۔

دوم آپ کی بات سے اتنا تو صاف ہی واضح ہوا کہ جو حضرات حاضری دیتے تو حاضری دیتے ہی اس لئے کہ حیات النبی ﷺ اور سماع سلام کے قائل ہوتے، تو ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی کبھی حاضری دینا اور سلام عرض کرنا حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے عقیدہ سے تھا کیونکہ جناب نے کہا کہ اگر ان کا حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ہوتا تو ہر نماز کے بعد حاضری دیتے تو معلوم ہوا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا حاضری دینا اور سلام عرض کرنا ان کے عقیدہ حیات و سماع کی دلیل ہے۔

سوم: حقیقت یہ ہے کہ جیسے (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی وہی حاضری دیتے تھے اور خطابانہ انداز سے سلام عرض کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲) ایسے ہی دوسرے حضرات سے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری اور آپ کو سلام عرض کرنا اور خطابانہ الفاظ سے گفتگو کرنا مروی ہے۔ (۲) جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قبر پر حاضر ہونا اور رونا۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۱) اور (۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قبر پر حاضر ہو کر رونا۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۷) (۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ سے سلام عرض کرنا۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۷) (۵) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ کا اس کو حاضر نہ ہونے کا گلہ کرنا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سفر کر کے قبر اطہر پر حاضری اور روتے رہنا اور قبر اطہر پر چہرہ ملتے رہنا۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۷، ابن عساکر بسند جید) (۶) امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کرنا۔

(خلاصۃ الوفاء ص ۴۷) (۷) اہل مدینہ کا عام معمول کہ مدینہ طیبہ سے سفر کو جاتے اور آتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۸۸) یہ سب منقول ہے تو آپ کی منطق کے مطابق بھی الحمدللہ ثابت ہوا کہ یہ حضرات حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے قائل تھے اس لئے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعتقاد بھی یہی تھا کہ آپ ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہیں، (حفظ الایمان، مواعظ میلاد النبی) بہرحال جناب کی یہ دلیل جناب کے اپنے خلاف ہے کہ اگر صحابہ سننے کا عقیدہ رکھتے تو ہر نماز کے بعد حاضری دیتے اب چاہے ہر نماز کے بعد حاضری نہ دیں مگر کبھی بھی حاضری دے دینا سماع کے عقیدہ کی دلیل ہے، یہ ہر نماز کی قید لگانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی دنیا والی زندگی میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب ہر نماز کے بعد حاضری نہیں دیتے تھے تو اب ان کے لئے ہر نماز کے بعد حاضری دینا کیوں ضروری ہوتا؟

<u>حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سماع موتیٰ</u>: مولوی صاحب لکھتے ہیں الکوکب الدری میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور امام اعظم منکرین سماع کی دلیل ''انك لا تسمع الموتی'' ہے۔ (اعلان حق ص ۳۱)

<u>جواب</u>: مولوی صاحب کے لئے عقیدہ کے باب میں حدیث متواتر ہونے کی بات تو ختم ہو ہی گئی، اب تو بے سند بات بھی عقیدہ کے باب میں حجت ہوگئی ہے، ہم مولوی صاحب سے مؤدبانہ عرض کریں گے کہ جناب والا! کوکب دری میں یہ بات باسند ذکر نہیں ہے آپ کوکب دری کے بجائے حدیث کی کی چھوٹی سی کتاب سے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مسلک ثابت کیجئے اور انعام وصول کیجئے؟ (ہمارے پاس کوکب دری نہیں اگر کوکب دری میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے تو) ہمیں درجہ یقین میں یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نہیں لگتی، بلکہ بلا بر گردن راوی یا کاتب فتاوی رشیدیہ کی عبارت بقول جناب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی نہیں تو حجت نہیں تو کوکب دری بھی ان کی لکھی ہوئی نہیں تو حجت کیوں ہے؟ آپ ایک طرف اتنے سخت ہوتے ہیں دوسری طرف لکیر کے فقیر بنتے ہیں، اگر آپ اس کو گستاخی سمجھیں تو فرمائیں کوکب دری کی بات ونقل کیا قرآن کریم کی طرح قطعیت کا درجہ رکھتی ہے؟ اگر نہیں اور واقعی نہیں تو ظنی اور بلا سند روایت کا عقیدہ کے باب میں کیا عمل دخل؟

یہاں ہم یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں جو مولوی صاحب نے استذکار اور تمہید میں مروی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سماع میت کی حدیث سے متعلق کہا ہے، کہتے ہیں: ''اس روایت کا وجود ساڑھے چار سو سال تک دنیا کی کسی کتاب میں نہیں تھا سب سے پہلے علامہ ابن عبدالبر جو کہ پانچویں صدی کے بزرگ ہیں اس کو مؤطا کی شرح التمہید یا الاستذکار میں نقل کیا ہے۔'' (اعلان حق دوم ص ۵۷)

تو جناب! علم کے میدان میں علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت حضرت گنگوہی سے بہت بڑھیا ہے، اگر ابن عبدالبر کی باسند مروی حدیث ساڑھے چار سو سال تک کسی کتاب میں نہ ہونے کی وجہ سے قابل رد ہے تو ۱۲۰۰ سال تک دنیا کی کسی کتاب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر نہ ہونے کی وجہ سے کیوں قابل قبول ہے؟

ایسے ہی مولوی صاحب نے اعلان حق ص ۳۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو قول نقل کیا لا یسمعون و لا یجیبون لانهم اموات غیر احیاء، اس کا حوالہ مولوی صاحب نے پیش نہیں کیا لیکن ان کے محدث جناب مولوی محمد حسین نیلوی صاحب کی کتاب احسن العقائد سے معلوم ہوا کہ یہ عبارت تنویر المقباس تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے۔ (احسن العقائد ص ۶۷)

اس کی حقیقت یہ ہے کہ تنویر المقیاس پوری تفسیر کی سند ابتدائی صفحات میں جو لکھی ہوئی ہے تو ماشاء اللہ اس کے راوی سدی، کلبی، ابو صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور مولوی صاحب اور ان کی جماعت خوب جانتی ہے کہ ان کی سند سلسلۃ الکذب کہلاتی ہے مگر اس سند سے ان حضرات کے کام کی چیز ملے تو بخوشی قبول فرما لیتے ہیں اور کلبی اور ابو صالح دوستوں کو نہیں چھیڑتے کیوں کہ یہ ان حضرات کے ہم عادت ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک سے متعلق دوسری جگہ وضاحت ہوگئی ہے اور حماسہ سے نہار بن توسعہ عبدی کا جو شعر نقل کیا ہے کہ تجھ پر ایک دن ایسا آئے گا، تو کچھ نہیں سن سکے گا، اس کے متعلق یہ ثبوت ضروری ہے کہ انہوں نے یہ شعر زمانہ اسلام میں کہے ہیں یا اس سے پہلے، پھر سند کیا ہے؟ دیوان حماسہ حدیث کے کس طبقہ کی کتاب ہے؟ اور یہ اشعار بھی عام مردے سے متعلق ہیں۔

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کے اشعار: مماتیوں کے شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی نے (احسن العقائد ص ۶۰ میں) حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کے اشعار (بحوالہ کلام الملوک) میں سے ایک شعر پیش کرتے ہوئے عدم سماع نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلیل پیش کرتے ہوئے عدم سماع نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلیل پیش کی ہے۔

فیا قبر النبی وصاحبیہ　　الا یاغوثنا لو تسمعونا

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبرو! اگر تم ہستیاں سنتی تو ہم آپ کے آگے فریاد کرتے۔ حالانکہ یہ اشعار حضرت نابغہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نہیں کہے بلکہ بصرہ میں رہتے ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے تادیبی کوڑے لگنے پر دور کہے ہیں، تو اتنا ہی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے نہیں سنتے، نہ نزدیک کی بات ہے نہ ہی نزدیک کا واقعہ ہے دیکھیں۔ (الاستیعاب لابن عبد البر ج ۳ ص ۲۵۵)

حضرت قتیلہ رضی اللہ عنہا کے اشعار: مولانا محمد حسین نیلوی صاحب نے منکرین سماع میں حضرت قتیلہ رضی اللہ عنہا کو ذکر کرتے ہوئے ان کو نضر بن حارث عبدری کی زوجہ لکھا حالانکہ وہ نضر بن حارث کی زوجہ نہیں بلکہ ان کی بیٹی ہیں، بدر میں ان کے باپ نضر بن حارث کو قتل کر دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشعار لکھ بھیجے اور ابھی اسلام نہیں لائی تھیں ان شعار میں یہ شعر بھی تھا۔

هل تسمعن النضران نادیته　　بل کیف تسمع میتا لا ینطق

اے سوار! کیا تو نضر کو اگر آواز دے تو سنا دے گا، بلکہ اس کو کیسے سنا لے گا جب کہ وہ ایسے میت بن گئے جو نہ بولیں۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۱۸۸)

اوّل تو علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ محدث زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: ”قال الزبیر و سمعت بعض أهل العلم یغمز ابیاتها هذه ویذکر انها مصنوعة“ (الاستیعاب ج ۴ ص ۱۸۸) میں نے بعض اہل علم سے سنا وہ اس کے ان اشعار پر طعن کرتے اور فرماتے کہ یہ بناوٹی ہیں۔“

تو جب بناوٹی ہوں تو ان کی کچھ حقیقت نہ ہوئی نامعلوم کس نے کہے؟ دوم اگر صحیح ثابت ہوں تو حضرت قتیلہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال زمانہ اسلام کا نہیں زمانہ کفر کا ہے، یہ واقعہ بدر کے موقع پر ہے اور وہ فتح مکہ والے دن اسلام لائیں، سوم کافریت کے بارے میں ہے مؤمن کے بارے میں نہیں اور کافر کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے ہماری بحث مؤمن کے بارے میں ہے، چہارم دیوان حماسہ میں شعر یوں ہے۔

هل یسمعن النضران نادیته　　ان کان یسمع میتا وینطق

اگر میت سنتا یا بولتا ہو تو ضرور نعمر بھی سن لے گا اگر تو اس کو آواز دے گا۔ (ص ۱۶۶)
اس کو یقینی علم نہیں تو شک کا اظہار کرتی ہوئی کہتی ہیں کہ اگر میت سنتی ہو تو نفر بھی ضرور سنے گا۔

بہر حال جب یہ اشعار ہی زمانہ اسلام کے نہیں، زمانہ کفر کے ہیں تو گویا کافر یہ کہہ رہا ہے تو کیا کافر کے کلام سے عقیدہ ثابت ہوتا ہے،؟ باقی یہ بات غلط ہے کہ اس نے یہ کلام حضور ﷺ کے سامنے کہی ہے بلکہ لکھ کر بھیجے اور جب آپ ﷺ تک یہ اشعار پہنچے تو آپ ﷺ رونے لگے، مگر آپ ﷺ کا ان اشعار کے خلاف کچھ نہ کہنا اور خاموش ہونا نہ تائید ہے نہ تردید ہے، فقط سکوت ہے اور وہ موقع سکوت کا تھا نہ کہ اشعار پر تبصرہ کا موقع تھا آپ کی طرح کوئی مناظر موجود ہوتا تو ضرور تبصرہ کرتا مگر حضور ﷺ کی دانائی کا تقاضہ خاموشی تھی، کیونکہ جس کا آدمی قتل ہو گیا ہو اگر وہ سامنے موجود ہو اور اس قسم کی بات کہہ دے تو اس کے دکھ میں شریک ہونا پڑتا ہے نہ کہ اس کی گفتگو کی اصلاح شروع کر دی جاتی ہے اور جب دور ہو تو تبصرہ کرنے کا فائدہ نہیں کیوں کہ مخاطب سامنے نہیں ہے۔

سماع موتی اور متقدمین و متاخرین کے اقوال: اس کے بعد چھٹی فصل میں مولوی صاحب نے مردوں کے نہ سننے پر اکابرین کے اقوال سے دلائل دینے کی کوشش کی ہے، ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اکابرین دونوں طرف ہیں کئی مردوں کے سننے کے قائل ہیں اور کئی نہ سننے کے قائل ہیں، راجح مرجوح کا مسئلہ ہے اس لئے جن اکابرین نے عام مردوں کے نہ سننے کی بات لکھی ہے انہوں نے سننے کے قائلین پر کوئی سخت یا نرم فتویٰ نہیں لگایا، لیکن مولوی صاحب نے اکابرین کی عبارات میں کافی خیانتیں کیں اور ان کو اپنا ہم نوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے ان اقوال کے بارے میں حقیقت سامنے لانا از حد ضروری ہے۔

مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر طعن: مولوی صاحب نے آگے چلنے سے پہلے ضروری سمجھا کہ مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کرتا جاؤں لکھتا ہے: ''(مولانا سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں تمام مردے عام اس سے کہ وہ مومن ہو یا کافر علم وشعور وادراک سننے، اعمال کے پیش ہونے اور زیارت کنندگان کو سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں اس میں حضرات انبیاء اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں۔ (تسکین الصدور ص ۹۸) ماشاء اللہ اب تو کافروں پر بھی اعمال پیش ہونے لگے ہیں۔ الخ! (ص ۳۲)

جواب: مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے روح کا جسم عنصری سے تعلق ثابت کرنے کے لئے غیر مقلدین پر بطور اتمام حجت نواب صدیق حسن خان کی یہ عبارت پیش کی ہے نہ یہ کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس سے بالکلیہ متفق ہیں مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس لئے یہ لفظ ذکر فرمائے ہیں: ''بقول نواب صاحب میت کو زائر کے سلام وغیرہ کا ادراک وشعور ہو جاتا ہے اور اس صفت میں مومن وکافر سب برابر ہیں۔ اس تحقیق کے ہوتے ہوئے ایک غیر ذمہ دار غیر مقلد بھائی کا یہ کہنا کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۱۰)
تو یہ لفظ بقول بتا رہا ہے کہ محض اتمام حجت کے طور پر یہ قول پیش کیا ہے مگر اس کے ہر ہر جزء سے اتفاق نہیں ہے۔

واقعہ قلیب بدر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور کیا قلیب والوں کا سننا معجزہ تھا؟ (لکھتے ہیں) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قلیب بدر میں مردوں کا سننا معجزہ تھا۔ (بخاری ص ۵۶۶) معلوم ہوا عام قانون نہیں۔ (ص ۳۲)

جواب: روایت کے الفاظ ایسے نہیں ہیں جن کا ترجمہ وہ ہو جو مولوی صاحب نے ذکر کیا، صرف یہ لفظ ہیں کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے قلیب بدر سے خطاب کے بارے میں یہ لفظ فرمائے: ''احیاھم اللہ حتی اسمعھم قولہ توبیخاًو تصغیر أو نقمة وحسرةً وندماً'' (بخاری حدیث نمبر ۳۹۷۶) اللہ تعالیٰ نے ان کو زندگی دے کر

حضور ﷺ کی گفتگو بطور ڈانٹ، ذلت، رسوائی، حسرت وندامت کے سنوائی"۔ تو اس میں یہ کہاں ہے کہ صرف قلیب بدر والوں کا سننا معجزہ کے طور پر تھا؟ یہ ٹھیک ہے کہ امام مازری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے قول سے صرف قلیب بدر والوں کا سن لینا یعنی معجزہ سمجھا لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وكان المازري اخذ الاختصاص من هذا القول و هو خلاف الجمهور " (مرقات ج ۷ ص ۷۶ ۴ کوئٹہ) لگتا ہے کہ مازری نے قتادہ رحمہ اللہ کے قول سے خصوصیت سمجھی لیکن یہ جمہور کے قول کے خلاف ہے۔ (کہ جمہور کے نزدیک یہ قلیب بدر والوں کی خصوصیت اور معجزہ نہیں، دوسرے مردے بھی سنتے ہیں)

اور علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں: "و اما ان ذالك خاص بكلام النبي فليس كذالك (احوال القبور ص ۱۳۴) اور یہ کہنا کہ یہ (قلیب بدر والوں کا سن لینا) حضور ﷺ کی کلام کے ساتھ خاص ہے تو ایسی بات نہیں (کیونکہ مردے سنتے ہیں جیسے جوتوں کی کھسکاہٹ سننا صحیحین میں آیا ہے اور آگے ذکر ہوگا کہ مردے سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں، ابن رجب)

جب کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تو قتادہ کے قول سے متعلق یہ فرمارہے ہیں: "واراد قتادة بهذا التأويل الرد على من انكر انهم يسمعون كما جاء عن عائشه" (فتح الباری ج ۸ ص ۲۶) حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے اس تاویل سے قلیب بدر والوں کے سننے کا انکار کرنے والوں پر رد کرنا چاہا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ سماع موتی کے قانون کا انکار نہیں کر رہے اور نہ ہی قلیب بدر والوں کے سن لینے کو حضور ﷺ کا معجزہ ٹھہرا رہے ہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ جنہوں نے قلیب بدر والوں کے سننے کا انکار کیا ان کا رد کرتے ہوئے حضرت ابن عمر کی تائید کر رہے ہیں اور یہ درست ہے کہ صاحب مشکوۃ نے اس کو باب المعجزات میں ذکر کیا ہے تو ممکن ہے کہ انہوں نے صرف قلیب بدر والوں کا سن لینا معجزہ مانا ہو، مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لمعات میں اس موقع پر اہل قلیب کے سن لینے کو معجزہ قرار دینے والوں کا قول ذکر کرکے باب الجہاد میں بحث کی تفصیل کا حوالہ دے دیا اور اس موقع پر تفصیل نہیں کی لمعات نایاب ہونے کی وجہ سے اس کا باب الجہاد دیکھا نہیں جاسکتا مگر اشعۃ اللمعات کے اسی مقام میں انہوں نے بحث کرتے ہوئے معجزہ ہونے کو رد کیا ہے۔

پوشیدہ نماند کہ حمل بریں مجرد احتمال وتاویل است کہ حمل نمی تواں کرد بروے تا قائم نشود دلیل بر استحالت سماع، (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۲۱) مخفی نہ رہے کہ اس کو معجزہ اور حضور ﷺ کے ساتھ ان کے سماع کے مخصوص ٹھہرانے پر محمول کرنا محض احتمال اور تاویل ہے حالانکہ اس پر تب تک محمول نہیں کر سکتے جب تک مردوں کے سننے کے محال ہونے پر دلیل قائم نہ ہوجائے۔ (جب کہ مردوں کا سن لینا ثابت ہے تو محال کیسے ہوا؟)

<u>امام محمد باقر بن علی بن حسین رحمہ اللہ</u>: لکھتے ہیں محمد بن باقر بن علی بن حسین رحمہ اللہ (فرماتے ہیں) سنانا زندوں کو ہوتا ہے مردوں کو نہیں۔ (عوارف المعارف علی ہامش احیاء العلوم ص ۳۸، اعلان حق ۳۲)

<u>جواب</u>: مولوی صاحب! عوارف المعارف صوفی بزرگ کی تصوف کی کتاب ہے نہ تو حدیث کی کتاب ہے نہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی، جناب اس قول کی سند پیش فرما کر ایک سو روپیہ انعام حاصل کیجیے، یہ بھی فرمائیے کہ یہ کس طبقہ کی کتاب ہے؟ اور یہ کہ اس طبقہ والی کتاب کی روایات معتبر ہوتی ہیں یا نہ؟

<u>مختلف مفسرین کے اقوال کا مجموعہ</u>: علامہ زمخشری فرماتے ہیں: "الموتى لا يسمعون" مردے نہیں سنتے۔ (ص ۱۲) یہی الفاظ نیشاپوری جامع البیان، بیضاوی، امام رازی، تفسیر کبیر، ابوسعود، خازن المیت لا

یسمع و لا یتکلم، میت نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے، و قال البغوی فی معالم التنزیل المیت الذی لا سبیل الی سماعہ مردے کے سننے کی کوئی صورت نہیں۔ تفسیر مدارک اما قبل ذالک فلا یعنی دوبارہ زندہ ہونے سے پہلے نہیں سن سکتے، کذا قال ابن عباس لا یسمعون و لا یجیبون نہ وہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں، کیونکہ وہ مردہ ہیں ان میں روح نہیں۔ (اعلان حق ص ۳۳)

یہ اقوال آیات کی تفسیر میں اور ادھورے ہیں ان کے متعلق ان آیات کے تحت بحث ہوگئی جن کو مردوں کے نہ سننے کی دلیل کے طور پر مولوی صاحب نے پیش کیا کہ خاص سماع کی نفی ہے یعنی سماع نافع، سماع قبول، عمل کا سننا، یا بااختیار خود نہیں سنتے اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سنتے ہیں، حضرت ابن عباس کے قول کی صحیح سند ضروری ہے۔

اور مولوی صاحب نے علامہ آلوسی سے نقل کیا ہے کہ مردہ زندہ کے برابر ادراک نہیں کر سکتا، حضرت آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات آیت و مایستوی الاحیاء و لا الاموات کے تحت ذکر کی ہے مگر مراد یہ ہے کہ دنیا کی چیزوں اور حالات وغیرہ کا ادراک مردہ نہیں کر سکتا، زندہ کر سکتا ہے، اس قسم عبارتیں آیت انما یستجیب الذین یسمعون کے تحت کشاف وغیرہ میں ہیں اور ان میں مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے: ”وھؤلاء الموتی یعنی الکفرۃ یبعثھم اللہ ثم الیہ یرجعون فحینئذ یسمعون و اما قبل ذالک فلا سبیل الی استماعھم“ (تفسیر کشاف) ان مردوں یعنی کافر لوگوں کو اللہ تعالیٰ (مرنے کے بعد) اٹھائے گا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے، تب سنیں گے، اس سے پہلے ان کافر مردوں کے سن لینے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس قسم کے حوالہ میں مولوی صاحب اور نیلوی صاحب نے صرف عبارت کا اتنا حصہ نقل کر کے مطلب نکالا و اما قبل ذالک فلا سبیل الی استماعھم اور یہ نہ بتایا کہ استماعھم کی ضمیر کا مرجع کون ہیں؟ یہ لوگ اس قسم خیانت کے عادی مجرم ہیں، ایسے ہی تفسیر جامع البیان وغیرہ میں پوری عبارت یہ ہے: ای الکفار الذین کالموتی لا یسمعون یعنی کافر جو مردوں کی طرح ہیں نہیں سنتے، مولوی صاحب نے اور ان کے شیخ الحدیث بزرگ محمد حسین نیلوی صاحب نے (احسن العقائد ص ۶۶) نیشاپوری اور جامع البیان اور ابوالسعود وغیرہ سے صرف یہ حصہ نقل کیا الموتی لا یسمعون باقی حوالوں کا بھی یہی حال ہے۔

<u>علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ</u>: مولوی صاحب اور شیخ الحدیث محمد حسین نیلوی صاحب نے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خیانت سے بھی گریز نہیں کیا، کہتے ہیں کہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ المیت لیس من شانہ السماع، و لا یتحقق منہ السماع الا معجزۃ کسماع اھل القلیب مردوں کی شان نہیں کہ وہ سنیں ہاں معجزہ ہو تو اور بات ہے۔ (احسن العقائد ص ۶۶، ۶۷، اعلان حق اول ص ۳۳) اور سماع بغیر معجزہ کے ثابت نہیں۔ (اعلان حق اول ص ۴۱)

حالانکہ علامہ آلوسی کی پوری عبارت اس طرح ہے: ”و قیل لان المیت لیس من شانہ السماع الا معجزۃ و لا یتحقق منہ سماع الا معجزۃً کسماع اھل القلیب و فی ھذا کلام تقدم بعضہ“ (روح المعانی ج ۷ ص ۲۶) ایک قول یہ ہے کہ سننا میت کی شان سے نہیں ہے مگر معجزہ کے طور پر اور اس سے سماع متحقق نہیں ہو سکتا مگر بطور معجزہ جیسے قلیب بدر والوں کا سننا ہے، لیکن اس قول میں کلام ہے جس پر کچھ گفتگو گزر چکی ہے۔

انصاف فرمائیں! کہ اس قول کو اول تو آپ جیسے عقلمند کو سمجھانے کے لئے قیل سے ذکر کیا، یہ بھی اس قول کے کمزور ہونے کی علامت تھی مگر شاید انہیں الہام ہوا ہو کہ اپنے کو مناظر اور شیخ الحدیث والتفسیر کہنے والے بھی میری

بات نہ سمجھ سکیں گے اس لئے پھر صراحت کے ساتھ فرمایا "و فی ھذا کلام" یہ قول کل اشکال میں ہے، کیا اس کے بعد بھی یہ عبارت سماع موتی کے انکار کی طرف جاتی ہے؟ اور انہیں مماتیوں کے ساتھ شمار کرنے کی گنجائش ہے؟

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں: "و عوّل بعض المحققین علی ان الارواح حیث کانت لھا اتصال لایعلم حقیقة الا الله تعالی و بذالك ترد السلام و تعرف المسلّم" (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۱) کئی محققین نے یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ روحیں جہاں ہوں ان کا جسم سے ایسا تعلق ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور اس تعلق کی وجہ سے میت سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور سلام کرنے والے کو پہچانتا بھی ہے۔

اور فرماتے ہیں: "فیقتصر علی القول بسماع ما ورد السمع بسماعه من السلام و نحوه و ھذا الوجه ھو الذی یترجح عندی" (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۸) جس بات کے سننے کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے اس کے سننے کے قول پر اکتفاء کرلی جائے جیسے سلام اور اس جیسی چیزیں یہی میرے نزدیک راجح ہے۔" تو وہ بھی سماع موتی کے قائل ہیں نہ کہ منکر، ان کی کئی عبارات متعدد جگہوں پر ذکر ہوگئی ہیں۔

<u>مسئلہ یمین سے استدلال</u>: لکھتے ہیں: "تمام فقہا نے مسئلہ قسم میں لکھا ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا، اس نے مرنے کے بعد اس کے ساتھ کلام کی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ مردے میں سمجھ نہیں، مردہ نہیں سنتا۔" (ص ۳۳، ۳۴)

<u>جواب</u>: اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ یہ مسئلہ قسم عرف پر مبنی ہے کہ عرف میں مرنے کے بعد کی کلام کو کلام نہیں کہتے اس لئے حانث نہ ہوگا، نہ اس لئے کہ مردہ نہیں سنتا، جن حضرات نے لا یسمع و لا یفھم وجہ ذکر کی ہے اول تو وہ سب فقہاء نہیں ہیں، امام محمد کی جامع صغیر اور ہدایہ کے حوالہ سے یہ بات ذکر کرنا غلط بیانی ہے اور فقہ کی دوسری کئی کتابوں میں بھی وجہ ذکر نہیں ہے فقط مسئلہ ہے، دوم اس سننے اور سمجھنے سے مراد بھی وہ سننا سمجھنا ہے جو کلام سے مقصود ہوتا ہے اور وہ ہے کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے پر آمادہ ہوجانا اور عمل میں لانا اور وہ مرنے کے بعد حاصل نہیں ہوتا۔

<u>فائدہ</u>: علامہ طحطاوی مسئلہ یمین کی تشریح میں تو "و المیت لیس کذالك لعدم السماع" کہتے ہیں (حاشیہ مراقی ص ۵۶۱) لیکن باب زیارت قبور میں کہتے ہیں: "وقال ابن القیم الاحادیث و الاثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور و سمع سلامه و أنس به و رد علیه و ھذا عام فی حق الشھداء و غیرھم و انه لا توقیت فی ذالك قال و ھو اصح من اثر الضحاك الدال علی التوقیت" (ص ۶۲۰) ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ احادیث اور آثار دلالت کرتے ہیں کہ قبروں کی زیارت کرنے والا جب آئے میت اس کا آنا جان لیتا ہے اور اس کا سلام سنتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ بات شہداء اور غیر شہداء کے لئے عام ہے۔

اور اس میں کوئی وقت مقرر نہیں ہے (ہر وقت اموات کے لئے یہ بات ہے) یہی بات ضحاک کی اس روایت سے زیادہ صحیح ہے جو وقت (جمعہ کی رات یا دن) مقرر ہونے پر دال ہے اور کہتے ہیں: "و اخرج ابن عبد البر في الاستذکار و التمھید بسند صحیح عن ابن عباس قوله قال رسول الله ما من احد یمر قبر اخیه المؤمن کان یعرفه في الدنیا فیسلم علیه الاعرفه و رد علیه السلام" (حاشیہ مراقی ص ۶۲۱) ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے استذکار اور تمہید میں صحیح سند سے حضرت ابن عباس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان روایت کیا ہے کہ جو بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو دنیا میں اس کو پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرے تو میت اس کو پہچان بھی لیتا ہے اور اس کو سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ سلام وغیرہ (جو کچھ نصوص سے ثابت ہے اس) کے سننے اور میت کے پہچان لینے اور مانوس ہونے کے قائل ہیں اور شاید غیر منصوص میں سماع کے منکر ہیں تو مماتیوں کی طرح وہ سماع موتی کے بالکلیہ منکر نہیں ہیں۔

علماء دیوبند اور سماع موتی: اس کے بعد ساتویں فصل میں علماء دیوبند کے حوالوں سے سماع موتی ثابت نہ ہونے کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور اکثر ادھوری عبارتیں ذکر کی ہیں،

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ: مولوی صاحب اور ان کے سب ہم جماعت مولانا کی چھوٹی سی ایسی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سننے یا نہ سننے کا اپنا موقف ذکر نہیں کیا ہے عبارت یہ ہے: ''اگر اس زمانہ میں امکان استماع کا چرچا کیا جائے (درمیان میں اپنے الفاظ لکھ مارے) یعنی مردے سنتے تو نہیں لیکن مردوں کا سننا ممکن ہے) تو اس غل سے نفع دینی تو کچھ متصور نہیں البتہ مضامین شرکیہ کا گمان غالب ہے۔''

(جمال قاسمی، اعلان حق ۳۴)

اس عبارت میں صرف اتنا فرمایا کہ سداللذریعہ آج کے دور میں استماع اموات کا عوام میں ذکر نہ کیا جائے، اب اصل بات کیا ہے کہ سن سکتے ہیں یا نہ؟ مولوی صاحب کی ذکر کردہ عبارت سے پہلے عبارت میں فرماتے ہیں: ''اپنے خیال نارسا کے موافق سمع اموات حد سماع سے تو پرے ہے پر استماع اموات ممکن ہے، یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے توانك لا تسمع الموتى فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے باوجود اس کے سلام اہل قبور مسنون کر دیا، اگر استماع ممکن نہیں تو یہ بے ہودہ حرکت یعنی سلام اہل قبور ملحدوں کی زبان درازی کے لئے کافی ہے۔

(جمال قاسمی ص ۹ طبع مکتبہ صدیقیہ حضرو اٹک)

پھر مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے استماع اموات کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ ان کی توجہ ادھر ہو جائے تو سن لیتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ توجہ ہی نہ ہونے دے تو اور بات ہے، یعنی ان میں سننے کی طاقت ہے اور سن سکتے ہیں۔

مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ: فرماتے ہیں وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو موت کے بعد نزدیک سے پکارتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں۔ (تفسیر بے نظیر ص ۱۸۰)

جواب: اگر حوالہ ٹھیک ہو اور مولوی صاحب نے کوئی خیانت نہ کی ہو تو اس عبارت کا مسئلہ سماع سے کوئی تعلق بھی نہیں کیونکہ اس میں تو حاجات کے لئے پکارنے کو شرک کہا گیا اور درود و سلام پڑھنا پکار نہیں اور نہ عقیدہ سماع شرک ہے، اس کا کچھ ذکر نہیں۔

مولانا مفتی ظفیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: لکھتے ہیں کہ (مولانا ظفیر الدین فرماتے ہیں) ان قصوں میں نہ پڑیں کسی عالم سے سمجھ لیں اور یہ مسئلہ جان لیں کہ قرآن شریف میں سماع موتی کا انکار کیا گیا ہے لہذا احادیث میں تاویل مناسب ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۴۴۱ جلد ۵، اعلان حق ص ۳۵)

مولوی صاحب کا کام بھی مطلب برآری ہے اس سے پہلے عبارت میں مولانا ظفیر الدین نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے اختلاف چلا آ رہا ہے اور اس میں فیصلہ ممکن نہیں ہے، وہ عام مردوں کے سننے کو حق و باطل کا مسئلہ نہیں بناتے راجح مرجوح کا مسئلہ سمجھتے ہیں، اس لئے تو اس کی بحث میں پڑنے سے منع کرتے ہیں اور مولوی صاحب اختلاف صحابہ مانتے ہی نہیں ہیں اور اس کو توحید و شرک کا مسئلہ بناتے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: مولوی صاحب نے حضرت تھانوی کی بھی ادھوری عبارت نقل کی ہے کہ اگر اس کی اصلاح بدوں انکار سماع کے نہ ہو سکے تو انکار سماع واجب ہے۔ (التکشف ص ۴۲۷)

پوری عبارت یوں ہے: "یہ مسئلہ اختلافی ہے، بعض نے اس حدیث سے اثبات کیا ہے اور بعض نے آیت: لا تسمع الموتی سے نفی کی ہے مثبتین نے آیت کا جواب دیا ہے کہ یہاں موتی سے مراد کفار ہیں کہ استعارۃً ان کو موتی کہہ دیا۔ نافین نے اس کا جواب دیا کہ گو آیت میں استعارہ ہے مگر مستعار منہ میں تو معنی حقیقی کا تحقق ضروری ہے پر موتی بالمعنی الحقیقی کے لئے عدم سماع ثابت ہو گیا، مثبتین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس قاعدہ سے صرف اتنا لازم آتا ہے کہ موتی پر موتی کا صدق بالمعنی الحقیقی ہونا چاہئے، اس سے لاتسمع کا حقیقت پر محمول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اس میں مجاز اطلاق المطلق علی المقید ہے اور سماع سے سماع نافع ہے، پس معنی یہ ہیں کہ موتی بالمعنی الحقیقی سے سماع نافع منفی ہے اور ضرورت اس حمل علی المجاز کی جمع بین النصوصین ہے اور قرینہ اس کا خود مشاہدہ ہے کفار میں نفس سماع کے منفی نہ ہونے کا، بلکہ سماع نافع کے منفی ہونے کا، غرض اس طرح جانبین میں کلام طویل ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے، البتہ عوام کا سا اعتقاد اس بات پر کہ اس کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں یہ صریح ضلالت ہے، اگر اس کی اصلاح بدوں انکار سماع کے نہ ہو سکے تو انکار واجب ہے۔　　(الکشف طبع جدید ص ۱۶۴)

اس عبارت سے کئی باتیں واضح ہیں، (۱) یہ کہ سماع موتی کے بارے میں علماء کے دونوں قول ہیں مولوی صاحب کے اس دعوی کی کوئی حقیقت نہیں کہ عدم سماع اتفاقی و اجماعی بات ہے، (۲) یہ کہ سماع کے منکر جو دلیلیں دیتے ہیں ان کا سماع کے قائل حضرات کے پاس معقول جواب ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ بھی سماع موتی کے قائل ہیں کیونکہ اس عبارت میں منکرین کے دلائل کے جواب دیئے اور قائلین کے دلائل منکرین کے جواب کے بغیر ذکر فرما کر جانب سماع کو ترجیح دیکر سکوت فرمالیا، اس کے علاوہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری عبارات بھی سماع کی مؤید ہیں، (۳) یہ کہ عوام کے اعتقاد درست رکھنے کیلئے جو مردوں کو متصرف مختار کل سمجھیں اگر ان کی اصلاح بغیر انکار سماع نہ ہو سکے تو سداً للذریعہ سماع کا انکار کر لیا جائے، تو اس میں بھی سداً للذریعہ سماع کی نفی کرنے کی تعلیم فرمائی ہے لیکن یہ تو نہیں فرمایا کہ سنتے بھی نہیں، اس بارے میں ان کی چند ایک عبارات سنیئے:

"پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہے اس چشم سے لینا چاہئے جس کو کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اھل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے۔"

(المصالح العقلیہ ج ۳ ص ۳۲۰)

"ایک وجہ تو یہ ہے کہ بعد موت کے بھی روح کو کسی قدر تعلق جسم سے رہتا ہے، نیز اس تعلق کا یہ اثر بھی ہے کہ قبر کے پاس جا کر سلام و دعا جو کچھ کی جاتی ہے مردہ اس کو سنتا ہے اور شہداء میں یہ تعلق عام مومنین سے زیادہ ہوتا ہے۔ نیز اس تعلق سے بعض اولیاء کو مرنے کے بعد قوت تصرف بھی عطا ہوتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ان کے مزاروں پر جا کر ان سے مرادیں مانگا کریں کہ شرعاً یہ بالکل ناجائز ہے اور اولیاء سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اپنے اجسام سے تعلق رہتا ہے۔"　　(خطبات دین و دنیا وعظ الکمال فی الدین ج ۳ ص ۱۸۳، ۱۸۴)

حضرت تھانوی نے ایک اور عجیب بات بھی لکھی ہے جو نہایت ہی عجیب ہے مگر مولوی صاحب فتوی لگانے سے پہلے غور کریں اور خیال کریں کہ فتوی ہم پر نہیں حضرت تھانوی پر لگے گا ہم تو محض ناقل ہیں (اور ہمیں اس بارے میں تحقیق نہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہے، وہ) فرماتے ہیں: "جو قبرستان وقف ہیں ان کا استعمال (اپنی ضروریات میں) بالکل حرام ہے ان میں کسی کو مکان بنانا جائز نہیں اور اکثر قبرستان وقف ہی ہیں اس لئے اسے بچنا چاہیے اور اس میں آخرت کا ضرر تو ہے ہی کہ گناہ ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ دنیوی ضرر بھی ہوتا ہے کہ بعضے مردے پلک

بھی دیتے ہیں چنانچہ ایسے واقعات اکثر سنے گئے ہیں میں یہ نہیں دعوی کرتا کہ سب حکایات صحیح ہیں مگر بہت سے سند صحیح سے ثابت بھی ہیں۔'' (وعظ الکمال دین و دنیا ج ۳ ص ۱۸۵)

غور کریں اور بار بار غور کریں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہاں کیا کہہ گئے ہیں؟

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ: مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ہمارے اکابر علماء حضرت امام اعظم کی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسلک کو راجح اور قوی سمجھتے ہیں۔

(ستہ ضروریہ بحوالہ ندائے حق، اعلان حق دوم ص ۵۴، اول ص ۳۵)

جواب: مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ پہلے عام مردوں کے سننے کے منکر تھے (نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کے) اور یہ حوالہ بھی اسی دور کا ہے مگر بعد میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر انکار سے رجوع کر کے سماع موتی کے قائل ہو گئے تھے، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: ''سماع موتی کا مسئلہ صحابہ کے زمانہ سے مختلف فیہ رہا ہے، حضرت شاہ صاحب کا اس بارے میں جو نقطہ نظر فیض الباری میں نقل کیا گیا ہے وہ اس عاجز کے نزدیک صحیح اور قابل قبول ہے۔ (ماہنامہ الفرقان بانی الفرقان نمبر اپریل سنہ ۱۹۹۸ء ص ۴۹۷)

اور سماع صلاۃ وسلام عند القبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہلے سے مانتے ہیں اس کے لئے معارف الحدیث پڑھیں (آخر میں اس کا حوالہ درج ہے)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ: لکھتے ہیں) فرماتے ہیں بہت سی آیات سماع موتی کی نفی کرتی ہیں۔ (جواہر القرآن، ص ۲۵ طبع دوم)

جواب: مگر یہ بھی فرماتے ہیں ''سماع موتی کا مسئلہ زمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے (نہ کہ اجماع سکوتی ہے) یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی واثبات پر کفر واسلام کا مدار ہے (کہ سماع عند القبر ماننے والے مشرک ہوں) بلکہ یہ ایک علمی وتحقیقی بحث ہے۔ امت محمدیہ کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دورائیں رہی ہیں (نہ کہ اجماع ہو گیا) علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جب کہ قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ (جواہر القرآن تفسیر سورہ روم، حیات الاموات ص ۵۵)

مگر یہ سب باتیں مولوی صاحب کو ہضم نہیں ہوتیں، عدم سماع پر ہی زور ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کا استثناء نہیں ہے، مولانا غلام اللہ خان کے عقیدہ کے لئے مولانا عبدالمعبود کی کتاب عقیدہ شیخ القرآن پڑھ کر قارئین اپنی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں۔

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ: لکھتے ہیں) ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند فرماتے ہیں مردے میں سننے کی صلاحیت نہیں۔ (کشف الرحمان ص ۵۸)

جواب: اس سے پہلے کی عبارت بھی لکھنی چاہیے تھی، فرماتے ہیں: ''فرمایا تو نہیں سنا تا قبروں میں پڑوں کو، حدیث میں آیا ہے کہ مردوں سے سلام علیک کر دو وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ وہ نہیں سن سکتا۔ (کشف الرحمان ج ۲ ص ۶۹۷)

اس سے ظاہر ہوا کہ وہ مردہ کی روح کے سلام سننے کے قائل ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ روح قریب ہو گی تب سنے گی تو وہ ظاہر کر رہے ہیں کہ سماع عند القبر ہوتا ہے اور اس سماع میں روح اصل ہے اکیلا جسم عنصری خود نہیں سنتا اور

یہ جو فرمایا کہ مردے میں سننے کی صلاحیت نہیں اس سے جسم عنصری مراد ہے، جس کو دنیا کے اعتبار سے میت کہتے ہیں اگرچہ برزخی حیات سے زندہ ہے۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ: مجموعۃ الفتاوی کے حوالے سے ان کی ایک عبارت مولوی صاحب نے (اور نیلوی صاحب نے احسن العقائد میں) نقل کی ہے ''سماع موتی ثابت نیست'' اس عبارت کو تلاش کرنے میں کافی دقت ہوئی آخر الحمدللہ! ہم نے پالی، حقیقت یہ ظاہر ہوئی کہ مولوی صاحب نے اتنی بات تو سچ کہی ہے کہ یہ مجموعۃ الفتاوی میں ہے مگر یہ غلط بیانی کی ہے کہ مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دراصل ایک سائل نے نو سوال بھیجے جن کا جواب مولوی محمد اسحاق بڈوسری بہاری نے دیا ان جوابات کے شروع میں لکھا ہوا ہے: ''جوابات مولوی محمد اسحق صاحب'' اور جوابات کے اختتام پر تحریر ہے: ''حررہ محمد اسحق بڈوسری بہاری'' سائل کے ان سوالات میں دوسرے سوال کے جواب کے درمیان میں مسئلہ تلقین ذکر ہے اس کے متعلق مولوی اسحق صاحب نے ذکر کیا: ''بناء علیہ فقہاء حنفیہ ما دریں بارہ مختلف اند اکثر قائل عدم جواز اند بریں بناء کہ سماع موتی ثابت نیست وواضح باد کہ ہمیں مذہب اکثر فقہاء قابل فتوی زمانہ ماست چراکہ دریں احتیاط است۔''

(مجموعۃ الفتاوی برحاشیہ خلاصۃ الفتاوی جلد ۲ جزء ۴ ص ۳۴۴ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی بناء پر ہمارے فقہاء احناف کا اس میں اختلاف ہے اکثر تلقین کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں اس بناء پر کہ سماع موتی ثابت نہیں ہے۔ واضح ہو کہ یہی اکثر فقہاء کا مذہب ہمارے زمانہ میں فتوی کے قابل ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ تلقین کے بارے میں احناف میں اختلاف ہے جو تلقین کو ناجائز کہتے ہیں وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ سماع موتی ثابت نہیں ہے، یعنی تلقین کو جائز کہنے والوں کے نزدیک سماع ثابت ہے، پہلا قول اکثر احناف کا ہے نہ کہ اکثر امت کا اور دوسرا قول متعدد احناف کا ہے، آج کے دور میں بناء بر احتیاط تلقین ناجائز ہونے کا فتوی دیا جائے، اس سے ظاہر ہوا کہ مولوی اسحق کے نزدیک بھی سماع موتی کے ایک پہلو عدم سماع پر اجماع نہیں جیسے مولوی صاحب کا دعوی ہے، نیز ثابت ہوا کہ وہ احناف بھی ہیں جو سماع موتی کے قائل ہیں، تو یہ فتوی پوری طرح مولوی صاحب مع جماعت کے حق میں نہیں، بہرحال یہ نہ مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ کا فتوی ہے اور نہ مولوی اسحق کے اس فتوے پر مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ کی تصدیق الجواب صحیح وغیرہ الفاظ سے ہے پھر نامعلوم اس کو مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحئی میں کیوں درج کیا گیا؟ اب مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ کا مسلک کیا ہے؟

سماع موتی کی احادیث متواتر ہیں: (۱) مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الرشید میں سماع موتی کے اثبات پر تفصیل سے بحث کی ہے بحث کے آخر کی یہ عبارت ذرا جگر تھام کر سنیں وہ فرماتے ہیں: ''فانظر الی هذه الاموات کیف انکر واسماع الاموات وحسهم ونطقهم و شعورهم وادراکهم وشبهوهم بالجمادات الخالية عن مطلق الادراكات مع ثبوت ذالك بما يبلغ بمجموعه الى حد التواتر المعنوی وان لم يكن شيء منه متواترا بعينه بالتواتر اللفظی الخ'' (تذکرۃ الرشید ص ۲۶۶، ۲۶۷، طبع مطبع انوار محمدی لکھنؤ سن طبع ۱۳۰۱ھ) ان (سماع موتی کے منکر) مردوں کو دیکھو کہ کیسے مردوں کے سننے اور ان کے احساس اور بولنے کا اور ادراک کا انکار کرتے ہیں اور ان کو ان جمادات سے تشبیہ دیتے ہیں جو مطلق ادراکات سے خالی ہیں؟ حالانکہ اتنی روایات ثابت ہیں جو مجموعہ کے لحاظ سے تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں اگرچہ علیحدہ طور پر ان میں سے کوئی معین تواتر لفظی کو نہیں پہنچی ہوئی ہے۔''

یہاں (۲) علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی اسی کی مناسبت سے ذکر کرنا مناسب ہے فرماتے:
"اقول والاحادیث في سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر" (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں کہتا ہوں کہ مردوں کے سننے کے بارے میں احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

(۳) علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: "وقد تواترت الأخبار عنهم بذالك" (فیض القدیر ج ۲ ص ۵۱۴) مردوں کے سننے کی احادیث متواتر ہیں۔

(۴) مولانا نورالحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: "عام موتی عالم برزخ میں سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور یہ سب کچھ حد تواتر کو پہنچی ہوئی احادیث سے ثابت ہے۔" (حیات الاموات ص ۱۲۷)

عقلمند کے لیے مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ کافی اور خوب ہیں کیا اس کے بعد بھی ان کو منکر سماع قرار دیا جا سکتا ہے؟

<u>حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ</u>: رسالہ کے طبع دوم میں مولوی صاحب نے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ: "اصل تو یہی ہے کہ اموات کا مستقل سننا ثابت نہیں، انك لا تسمع الموتى و لا تسمع الصم الدعاء الاية یہ آیت قرآن اس بارے میں نص ہے، اگر کسی جگہ کوئی خاص واقعہ سننے کا ثبوت مل جائے تو وہ خرق عادت اور کرامت پر محمول ہوگا۔ (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص ۱۱۴)

<u>جواب</u>: مولوی صاحب نے یہاں بھی کچھ خیانت کرلی ہے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ آیت قرآنی اس بارے میں نص ہے اور اسی وجہ سے مشائخ کی قبور پر جا کر ان کو مخاطب کر کے ان سے طلب کو ناجائز کہتے ہیں البتہ براہ راست اگر اللہ جل شانہ سے ان کے وسیلہ سے کوئی دعا مانگی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، اس کے علاوہ اگر کسی جگہ خاص کوئی واقعہ سننے کا ثبوت مل جائے تو وہ خرق عادت اور کرامت پر محمول ہوگا جس کو حجت یا سب جگہ جاری نہیں کیا جا سکتا، آپ کا یہ کہنا کہ حضرت خواجہ صاحب کا اپنی قبر میں زندہ ہونے میں کیا اشکال ہے؟ واقعی حضرت خواجہ صاحب اور دیگر بزرگان دین کے علوشان میں تو کوئی انکار نہیں، لیکن احادیث میں صرف انبیاء کی خصوصیت آئی ہے۔" (کتب فضائل پر اشکالات ص ۱۴۴، ۱۴۵)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "(خواب کے واقعہ میں) میت نے یہ کہا کہ جواب دینے کی اجازت نہیں ہوئی تھی، اس سے خود سمجھ میں آگیا کہ سننے کی اجازت ہوگی، یہی حقیقت ہے ہمارے اکابر کے نزدیک اموات کے سننے کی کہ اللہ کی اجازت پر موقوف ہے وہ چاہے تو سنوا دے، نہ چاہے تو نہ سنوائے، اس خواب کے قصہ سے زیادہ صاف اور واضح تو بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "ان الميت ليسمع قرع نعالهم" وارد ہوا ہے، کہ میت جوتوں کی آہٹ بھی سنتی ہے اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے مقتولین کو جو کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تھے خطاب فرمانا اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ اشکال کیا کہ آپ اموات سے خطاب کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (کفار) کے متعلق خوب سننا بیان فرمایا اور اسی قسم کی اور روایات حدیث جن سے اموات کا سننا معلوم ہوتا ہے۔

اگرچہ دوسری نصوص سے مردوں کا نہ سننا بھی معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ سے یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے برابر اختلافی چلا آرہا ہے، صحابہ کی ایک بڑی جماعت مردوں کے سننے کی قائل ہے اور دوسری ایک جماعت صحابہ کرام کی اس کا انکار کرتی ہے اور اس کے بعد سے اب تک علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوتا چلا آیا ہے۔ اسی بناء پر ہمارے اکابر نے مختلف نصوص میں اس طرح جمع کیا ہے کہ یہ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ چاہے تو کسی بزرگ کو بلکہ کسی عامی مسلمان کو بھی سنوا دے۔ (کتب فضائل پر اشکالات ص ۱۴۲، ۱۴۱ طبع مکتبہ خلیل لاہور)

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ (۱) دعا میں وسیلہ جائز ہے (۲) مسئلہ سماع موتی عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے اب تک اختلافی چلا آرہا ہے، کسی جانب پر اجماع (سکوت) نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سماع ثابت مانتی ہے دوسری نافی ہے (۳) راجح مرجوح کا مسئلہ ہے کفر و اسلام، توحید و شرک کا مسئلہ نہیں یہ باتیں مولوی صاحب کے مسلک کے بالکل خلاف ہیں (۴) البتہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے عام مردوں کے سماع نہ ہونے کو راجح ٹھہراتے ہوئے اصل اور قانون قرار دیا تاہم جوتوں کی آہٹ سننے کو تسلیم کیا اور جہاں سماع کے ثبوت کا کوئی واقعہ ہوا اس کو خرق عادت ٹھہرایا، لیکن یہ بات عام مردوں کے بارے میں ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ انبیاء علیہم السلام کا سماع مانتے ہوئے ان کو اس قانون سے خارج کرتے ہیں جیسا کہ فضائل درود شریف اور اوجز المسالک وغیرہ میں تفصیل سے گفتگو فرمائی جس کے حوالے الصراط السوی میں ذکر ہو گئے ہیں اور یہاں بھی فرمادیا کہ احادیث میں انبیاء کرام کی خصوصیت آئی ہے۔

<u>کتاب ''فاتحہ کا صحیح طریقہ'' کا حوالہ</u>: لکھتے ہیں علماء دیو بند کی متفقہ کتاب مع ضمیمہ میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جب چاہے کسی زندے کا کلام مردے کو سنا سکتا ہے البتہ عام قانون یہی ہے کہ مردے نہیں سن سکتے دنیا کے سب سے افضل اور برتر انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عام قانون بھی یہی ہے وہی اس آیت ربانی کے مخاطب ہیں۔

(فاتحہ کا صحیح طریقہ ص ۱۱۰ مطبوعہ دیو بند، اعلان حق ص ۴۸)

<u>جواب</u>: فاتحہ کا صحیح طریقہ کتاب کے مصنف مولانا قاضی محمد اسماعیل ہیں اور اس کتاب کے مندرجات پر جو اعتراضات کئے گئے اور ان کا جواب لکھا گیا اس کے مصنف بھی وہی ہیں، علماء دیو بند نے اصل کتاب کی تصدیق کی ہے لیکن جس حصہ میں محولہ بالا عبارت درج ہے، وہ علماء دیو بند کے مصدقہ حصہ سے خارج اور اضافی ہے جس کے لکھنے والے مولوی ریاست علی ہیں، وہ حصہ ہرگز علماء دیو بند کا مصدقہ نہیں ہے اور مولوی ریاست علی پر شاید مماتیت کی چھاپ ہے جو اپنی طرف سے بلا ثبوت اس قانون کو عام بتارہے ہیں، جناب اپنے متعلق لکھتے ہیں: ''ہم وہ عقیدہ تسلیم نہیں کرتے جس کا ثبوت قرآن یا حدیث متواتر سے نہ ہو، ہمارے مخالفین اپنا عقیدہ ضعیف روایتوں سے پمفلٹوں، رسالوں سے ثابت کرتے ہیں۔'' (ص ۷)

تو کیا فاتحہ کا صحیح طریقہ کا وہ حصہ قرآن مجید ہے یا حدیث متواتر ہے؟ اب آپ جناب بھی مخالفین کی طرح پمفلٹوں اور رسالوں سے اپنا عقیدہ ثابت کرنے لگے ہیں تو آپ کے عقیدہ کے لئے پمفلٹ اور رسالہ قرآن یا حدیث متواتر کا حکم رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں، قرآن مجید کی ایک نص قطعی الدلالت یا ایک بھی حدیث متواتر قطعی الثبوت والدلالت یا خبر واحد نہیں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کی نفی کرے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۲۳) اور حضرت گنگوہی اور مولانا نور الحسن شاہ صاحب (حیات الاموات) کی تصریحات ذکر ہو گئی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا سماع عند القبر اختلافی نہیں بلکہ اجماعی ہے، تو مولوی ریاست علی کی بات اس اجماع کے مقابلہ میں کتنی پوزیشن رکھتی ہے؟

<u>دلیل مدعی کے ذمہ؟</u> کہتے ہیں مشہور حدیث ہے کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہے تو دلیل آپ کے ذمہ ہے، کیونکہ آپ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کے مدعی ہیں، تو آپ پر لازم ہے کہ عقیدہ پر قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کریں یا حدیث متواتر پیش کریں یا بطور تائید کے تمام صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کا عقیدہ صحیح سند کے ساتھ پیش کریں، یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کا مستند حوالہ چاہئے جس نے سماع عند القبر کو عقیدہ بنایا ہو۔ (اعلان طبع دوم ص ۴۶، ۴۷)

<u>جواب</u>: اپنی جان چھڑانے کا یہ آسان نسخہ آپ کے ہاتھ لگا اس لئے تو سرگودھا مناظرہ میں آپ اپنا دعوی اور عقیدہ لکھنے تک کو تیار نہ ہوئے اور بھاگ آئے (۱) اگر صرف ہم مدعی ہیں اور آپ منکر محض ہیں اور کوئی دعوی

نہیں رکھتے اور آپ کے ذمہ دلیل نہیں تو آپ نے حدیث نبوی کی مخالفت کر کے اپنے عقیدہ کو حق ثابت کرنے کے لئے یہ رسالہ کیوں تحریر کیا؟

(۲) جناب والا! ہر فریق ایک اعتبار سے مدعی ہے اور ایک اعتبار سے منکر ہے، جناب اس اعتبار سے مدعی ہیں کہ قبر میں نبی کریم ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کو مردہ بے جان کہتے ہیں اور عدم سماع عند القبر قانون مانتے ہیں اور اس اعتبار سے منکر ہیں کہ ہمارے دعوی حیات النبی ﷺ اور سماع عند القبر کے منکر ہیں۔

(۳) ایک منکر بلا دلیل ہوتا ہے اور ایک منکر بالدلیل ہوتا ہے، جو منکر بالدلیل ہو وہ بھی من وجہ مدعی ہوتی ہے تو جناب بھی من وجہ مدعی ہیں اس لئے جناب سے عدم سماع عند القبر کی دلیل کا مطالبہ کرنا حق ہے حدیث کے خلاف نہیں۔ باقی ہم نے اپنے مسلک کے دلائل اور حوالے ذکر کر دیئے ہیں، دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں (اور عام مردوں کے سننے کی احادیث آگے ذکر ہوں گی۔ ان شاء اللہ!)

مزید لکھتے ہیں: ''قرآن وحدیث میں جب عام قانون بیان ہوتا ہے تو وہ قانون اپنے ماتحتوں کو شامل ہوتا ہے، جب تک اس قانون کی کسی خاص صورت کا عقیدۃً یا عملاً خلاف ورزی کا اظہار نہ ہو تو اس وقت تک امت میں اس عقیدہ یا عمل کی تردید سامنے نہیں آتی۔'' (ص ۴۷)

جواب: (۱) اگر سب مردوں کے نہ سننے کا قانون قطعی ثابت ہوتا تو ہرگز امت میں عہد اول سے آج تک اختلاف نہ ہوتا، یہ اختلاف دلیل ہے کہ عدم سماع موتی کا قانون قطعی نہیں ہے۔

(۲) اگر بالفرض یہ قانون ہو تو متعدد نصوص صحیحہ نبی کریم ﷺ کو اس قانون سے خارج کرنے والی موجود ہیں (جیسے حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعته اور حدیث و لیسلمن علی و لاردن علیه'' اور حضرت بلال بن حارث مزنی اور حضرت ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر سلام وخطاب اور سب اسلاف کی تصریحات موجود ہیں اور اجماع نقل ہو گیا اور ایک مستند بزرگ بھی یہ لکھنے والا آج تک نہیں ہوا کہ آپ ﷺ قبر مبارک کے پاس حاضر شخص کا صلاۃ وسلام نہیں سنتے) اگر ان نصوص صحیحہ کے بعد بھی کوئی شخص حضور ﷺ کو اس قانون میں داخل کرتا ہے تو اس کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ثبوت دے، اگر ہمیشہ سے ایک زمین زید کے قبضہ میں ہے اور اس کے پاس کاغذات بھی ہیں پھر کوئی شخص کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ یہ زمین زید کی نہیں اور اس کے کاغذات جعلی ہیں تو اب عدالت اس سے ثبوت مانگے گی، کیونکہ زید کی ملکیت کا ثبوت تو پہلے سے چلا آ رہا ہے، اب یہ شخص کہے کہ جی ثبوت زید کے ذمہ ہے، میرے ذمہ نہیں اور زید جو ثبوت دیتا ہے تو یہ اس کو جعلی مانتا ہے تو اب عدالت اسی سے اس کے دعوی کا ثبوت مانگے گی کہ جناب زید کے کاغذوں کا جعلی ہونا اور اس کی ملکیت نہ ہونا ثابت کرو۔

عدم سماع موتی قانون؟ لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس قانون کی وضاحت یوں فرمائی ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سنا دے آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون گی ہیں۔ (اعلان حق طبع دوم ص ۴۸)

جواب: اس آیت کے ترجمہ سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اور ایسے ہی انک لا تسمع الموتی میں عدم سماع کا قانون بیان نہیں فرمایا بلکہ اپنی قدرت عامہ کا اثبات اور نبی کریم ﷺ سے قدرت عامہ کی نفی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے جس کو سنائے اور حضور ﷺ کو قدرت نہیں کہ جس کو سنانا چاہے سنا دے، جیسے انک لا تهدی من احببت و لکن الله یهدی من یشاء میں اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ کا اثبات اور نبی کریم ﷺ کی

قدرت عامہ کی نفی ہے، تو اس میں قدرت کا ذکر ہے نہ کہ قانون کا۔

اس کے بعد چوتھے باب میں مولوی صاحب نے سماع موتی کے قائلین کے شبہات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، ان میں سے جو باتیں الصراط السوی میں ذکر ہوگئیں ان کو ہم نہیں دھراتے۔

فتاوی رشیدیہ کے ایک فتوی پر مولوی صاحب کا تبصرہ: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ''(جو مولانا) رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں، (فتاوی رشیدیہ ۹۹) یہ عبارت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے، پھر مولوی صاحب نے اس کے ثبوت میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۳۱۳ھ میں ان کی بینائی چلی گئی تھی اس کے بعد فتاوی کا جواب مولانا یحییٰ دیا کرتے تھے، سماع موتی کا جو مسئلہ فتاوی میں درج ہے مولانا عزیز الرحمن عثمانی رحمہ اللہ حضرت گنگوہی کا فتوی اس کے خلاف نقل کرتے ہیں، تو فتاوی رشیدیہ کا مسئلہ سماع موتی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی نہیں پس اجماع کا دعوی بلا دلیل ہے۔ (نیلوی صاحب نے بھی اسی کا سہارا لیا ہے۔ (احسن العقائد)

جواب: فتاوی رشیدیہ میں یہ فتوی دو جگہ درج ہے ایک جگہ لکھنے والے مولانا محمد حسن مرادآبادی رحمہ اللہ ہیں یہ ۱۳۰۵ھ میں لکھا جس پر حضرت گنگوہی کے دستخط ان الفاظ میں ہیں: ''الجواب بھذا التفصیل صحیح رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (ص ۶۰) تو یہ ۱۳۱۳ھ سے پہلے کا فتوی ہے دوسرے فتوے کو خود حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے لکھا ہے اور دستخط ہیں رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (ص ۱۱۲) اس کا سن معلوم نہ ہوا، یقینی بات ہے کہ دستخط بتاتے ہیں کہ یہ بھی ۱۳۱۳ھ سے پہلے کا ہے، رہا حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا فرمان تو اس میں مسئلہ سماع موتی کا حوالہ دیا گیا ہے نہ کہ مسئلہ استمداد از اہل قبور کا اور یہ عبارت تو مسئلہ استمداد کی ہے نہ کہ مسئلہ سماع موتی کی۔

آپ ﷺ کے سماع عند القبر پر اجماع: اور اجماع کی جہاں تک بات ہے تو وہ جناب کے سر پر سوار ہے اور سوار رہے گا۔ ان شاء اللہ! اجماع کی دلیل اختلاف نہ ہونا ہے نہ کہ صرف حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی، جناب بمع پارٹی کو چیلنج تھا اور ہے اور رہے گا کہ صرف اور صرف ایک مستند بزرگ کا حوالہ لائیے جو نبی کریم ﷺ کے عند القبر سماع کا انکاری ہو تب ہی اجماع ٹوٹے گا اور ایسا حوالہ قرض تھا اور ہے اور رہے گا۔ ان شاء اللہ!

جناب کی مسلم کتاب میں حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر حق وعدل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ کے سماع سلام وجواب سلام کے انکار کا اصولی طور پر بھی کوئی جواز نہیں، اگر اس مسئلہ میں کوئی خاص دوسری دلیل نہ بھی ہو تو بھی عمومی دلائل کتاب وسنت اور اجماع امت سے سماع وجواب سلام ثابت اور حق ہے چہ جائے کہ اس موضوع پر دوسرے دلائل بھی موجود ہیں اور کتب احادیث میں متعدد احادیث اس باب میں مروی ومنقول ہیں۔'' (حیات الاموات ص ۱۲۷)

دیکھئے جناب مولانا نور الحسن رحمہ اللہ امت کا اجماع نقل فرما رہے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں: ''باید دانست کہ اختلاف در غیر انبیاء ست صلوات اللہ سلامہ علیہم اجمعین۔'' (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۲۳)

جاننا چاہیے کہ سماع موتی کا اختلاف انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے مردوں کے بارے میں ہے۔ (انبیاء علیہم السلام کے سماع میں اختلاف نہیں)

اب یک نقد متعدد وشدذر اایک صاف صریح حوالہ دے کر ہلایئے اس کو تو بات ہو اور ہم بلا جھجک یہ کہتے

ہیں کہ ان کی پوری جماعت ایک حوالہ بھی پیش کرنے سے اب تک قاصر ہے اور انشاء اللہ قاصر رہے گی۔ مگر ہدایت بھی تب ملے گی جب ضد چھوڑیں گے۔

سماع موتی اور احادیث: سماع موتی کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سے بعض پر مولوی صاحب نے جرح کی ہے، ان کے بارے کچھ گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے: (۱) بخاری مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ مردہ جوتوں کی آہٹ سنتا ہے لفظ ہیں انہ یسمع قرع نعالھم (کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں ابھی) وہ جانے والوں کی جوتیوں کی کھسکاہٹ سن رہا ہوتا ہے (کہ اچانک دو فرشتے آجاتے ہیں) (بخاری ج ۱ ص ۱۷۸، مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، ابوداؤد ص ۱۰۴، صحیح ابن حبان، الاحسان رقم الحدیث ۳۱۲۰)

اس کے جواب میں مولوی صاحب نے کئی باتیں کی ہیں:

(۱) قطب العالم حضرت رشید احمد گنگوہی نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ اس سے فرشتوں کی جلد آمد مراد ہے سرعۃ اتیان ملائکہ سے کنایہ ہے یعنی انہ یسمع قرع نعالھم مجہول صیغہ ہے البتہ جوتیوں کی آہٹ سنائی جاسکتی ہے یعنی جوتیوں کی آہٹ وہاں باقی ہوتی ہے کہ حساب کتاب شروع ہوجاتا ہے۔

جواب: (۱) اگر فتاوی رشیدیہ میں مسئلہ سماع موتی وغیرہ مولانا یحییٰ کا لکھا ہوا مستند نہیں تو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوکب دری کیوں مستند ہے؟

(۲) حضرت گنگوہی کی عبارت سے صرف مجموعہ حدیث کا مطلب ظاہر ہو رہا ہے کہ لوگوں کی جوتیوں کی آہٹ ابھی قبرستان میں موجود ہوتی ہے کہ فرشتے آجاتے ہیں اور حساب کتاب شروع ہوجاتا ہے، حضرت گنگوہی کی عبارت میں یہ بات کہیں نہیں ہے کہ یسمع معروف کے بجائے یسمع مجہول ہے اس لئے جناب کو یہ مطلب اپنی طرف سے باریک یعنی کہہ کر نکالنا پڑا اور کسی بھی محدث نے مجہول روایت نہیں کیا، تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب کے عنوان میں معروف ہونا ظاہر کرتے ہیں باب المیت یسمع خفق النعال باب اس بیان میں کہ مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے، علامہ عینی (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۵۷) اور ابن القیم (الروح ص ۱۰) اور محمد طاہر گجراتی (مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۳۶۱) اور قسطلانی (ارشاد الساری ج ۲ ص ۳۵۵) اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۴) وغیرہم رحمہم اللہ معروف بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس تاویل کو رد کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا انہ الآن یسمع خفق نعالکم مردہ ابھی تمہارے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۵) اس میں فرشتوں کا کچھ بھی ذکر نہیں تو یہ تاویل یہاں کیسے فٹ کرو گے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بھی اس تاویل کو رد کرتی ہے ان المیت اذا دفن سمع خفق نعالھم اذا ولوا عنہ منصرفین، میت جب دفن کردی جائے وہ اس وقت لوگوں کی جوتوں کی کھسکاہٹ سنتی ہے جب لوگ اس سے منہ پھیر کر واپس ہوتے ہیں۔ (الجامع الصغیر ح ۲۱۳۵ طبرانی کبیر حدیث حسن، قال الھیثمی رجالہ ثقات، فیض القدیر) علامہ مناوی فرماتے ہیں ای قعقعۃ نعالھم ای المشیعین لہ (فیض القدیر ج ۲ ص ۵۱۴) یعنی میت کو رخصت کرنے والوں کی جوتوں کی آہٹ میت سنتی ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ اس میں عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ شیعہ راوی ہے یہ وہی راوی ہے جس کی

ابن ماجہ میں قرآن مجید بکری کے کھا جانے کی روایت مذکور ہے جس میں آیت رجم تھی اور مسئلہ رضاعت تھا محمد بن سعد نے فرمایا لیس بالقوی (میزان الاعتدال) اور ایک روایت میں قتادہ بن دعامہ ہے جو مدلس اور قدری تھا، نیز ابن العابدین نے فرمایا کہ یہ حدیث قرآن کے مخالف ہے۔ (اعلان حق ص ۴۲)

جواب: مولوی صاحب پوری بات نقل نہ کرنا اپنی دیانت سمجھتے ہیں، لیجئے سنیں! کہ عبدالاعلی بن عبدالاعلی کون ہے؟ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں البصری السامي ابو محمد .... ثقة من الثامنة مات سنة تسع وثمانين ع۔ (تقریب ج ۱ ص ۵۵۱) بصرہ کا رہنے والا اور السامی ہے ابومحمد کنیت ہے ثقہ ہے آٹھویں طبقہ کا ہے۔ ۸۹ھ کو فوت ہوا صحاح ستہ کا راوی ہے، علامہ محمد طاہر ہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رمی بالقدر و ثقه جماعة واحتج به کلهم (قانون الموضوعات ص ۲۶۷) فرقہ قدریہ ہونے سے متہم ہے جب کہ ایک جماعت نے اس کو ثقہ کہا ہے اور سب محدثین نے اس کی روایات قابل حجت سمجھی ہیں، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وثقه يحيى بن معين وقال محمد بن سعد لم يكن بالقوى وقال احمد كان يرى القدر حضرت یحییٰ بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے جب کہ محمد بن سعد نے کہا قوی نہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرقہ قدریہ کی رائے رکھتا تھا، امام ذہبی فرماتے ہیں صدوق صاحب حديث ومعرفة سچا راوی ہے اور محدث اور معرفت حدیث رکھنے والا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۳۱) اور تذکرۃ الحفاظ (ج ۱ ص ۲۱۷) میں المحدث العالم کے الفاظ سے ان کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں حديثه في الكتب الستة وثقة غير واحد اس کی حدیث صحاح ستہ میں ہے اس کو بہت سے علماء نے ثقہ کہا ہے اور (المغنی ج ۱ ص ۵۸۲) میں فرماتے ہیں صدوق یہ سچ بولنے والا راوی ہے، ابن معین، ابوزرعہ، عجلی، نسائی، ابن حبان، ابن نمیر، ابن وضاح وغیرہ نے ثقہ اور لاباس بہ کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۳۰) اور فرقہ قدریہ سے تعلق ہونے سے ان کی روایت پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا، ایسے ہی موقع پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فلنا صدقه وعليه بدعته (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵) ہمارے لئے تو اس کی سچائی ہے اور اس کی بدعت اسی پر ہے اور بکری کے قرآن کھا جانے کی روایت میں ممکن ہے کہ کسی اور راوی سے غلطی ہوئی ہو اور اگر وہ روایت صحیح بھی ہو تو بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھی صحائف تھے تو ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعت کبیر اور آیت رجم والے صحیفے کو بکری نے کھایا ہو تو اہل سنت کا کیا بگڑا؟ بہر حال جب سب محدثین نے اس کی احادیث سے حجت لی ہے تو ایک ابن سعد کی جرح کو محدثین نے قبول نہیں کیا ہے، بالخصوص وہ حدیث جو بخاری شریف میں ہے اس کو مولوی صاحب ضعیف کہہ کر بخاری شریف کے خلاف تحریک عدم اعتماد چلانے والے منکرین حدیث کی کمر مضبوط کر رہے ہیں، جب کہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے اکابرین اہل سنت کیا فرما رہے ہیں۔

صحیح بخاری کی سب احادیث صحیح ہیں: حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں: "فهذا ينافي ماعليه العلماء من الحكم بتصحيح جميع ما اورده البخاري في كتابه ...... وهذا الذي قاله تخيل فاسد" (فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۵ کتاب مناقب الانصار باب القسامۃ فی الجاہلیۃ) بخاری کی روایت پر طعن علماء کے اس اتفاق کے خلاف ہے کہ بخاری کی سب مروی احادیث صحیح ہیں، لہذا تشکیک پیدا کرنے کا قول تخیل فاسد ہے۔ (قائل کی دماغ خرابی ہے)

علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ائمہ حدیث برایں امر اتفاق کردہ اند کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری باز صحیح مسلم است وبریں امر ہم اتفاق کردہ اند کہ جملہ رواۃ صحیحین قابل قبول ومجمع شرائط قبول ہستند۔

الخ ا" (مجموعۃ الفتاوی برحاشیہ خلاصۃ الفتاوی طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج ا ص ۶۰، ۶۱)

محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب کتابوں سے اصح بخاری پھر مسلم ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم کے سب راوی قابل قبول ہیں جن میں قبول کرنے کی سب شرطیں موجود ہیں، صرف چند راویوں پر دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے لیکن شارحین حدیث خصوصاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں ان جرحوں کو رد کیا ہے۔

پھر یہ دیکھنا بھی لازم ہے کہ کیا اس حدیث کی سند بس ایک ہے؟ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کی سندیں ایک سے زیادہ ہیں، ابوداؤد کی سند میں راوی محمد بن سلیمان انباری، عبدالوہاب بن عطاء، سعید، قتادہ رحمۃ اللہ علیہم ثقہ راوی ہیں، ان میں کہیں عبدالاعلیٰ نہیں ہے، صحیح ابن حبان کے راوی حسن بن سفیان شیبانی، عباس بن ولید نرسی، یزید بن زریع، سعید، قتادہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں ان میں بھی کوئی عبدالاعلیٰ نہیں ہے، امام ابن ابی عاصم نے بسند عباس بن ولید نرسی یزید بن زریع سے روایت کی ہے۔ (السنۃ ص ۲۰۵ ح ۸۸۹) نسائی (حدیث نمبر ۲۰۲۸) میں امام نسائی کے استاذ راوی احمد بن ابی عبداللہ الوراق یزید بن زریع سے روایت کرتے ہیں، دوسری سند یہ بھی ذکر فرمائی کہ دو حضرات محمد بن عبداللہ بن مبارک اور ابراہیم بن یعقوب بن اسحٰق یونس بن محمد سے وہ شیبان سے وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں ان سندوں میں بھی عبدالاعلیٰ راوی نہیں ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (جامع صغیر ج ا ص ۱۲۷ رقم الحدیث ۲۰۷۲) میں مسند احمد، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کر کے اس کو صحیح کہتے ہیں۔

نیز امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی دو سندوں سے روایت کیا ہے اور فرماتے ہیں: "ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم" (مستدرک ج ا ص ۴۸۹، ۴۸۸) کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تلخیص المستدرک میں امام حاکم کی تائید کی ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ طبرانی اوسط کے حوالے سے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر فرما کر فرماتے ہیں "اسنادہ حسن" کہ اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۷ رقم الحدیث ۴۲۶۹ طبع دار الفکر بیروت طبع ۲۰۰۵ء)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت سمع قرع نعال والی بحوالہ مسند بزار ذکر فرما کر علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اس کی سند کو بھی حسن کہتے ہیں اور ان دونوں میں فرشتوں کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۹، ۱۸۰ رقم ۴۲۷۹، مسند اسحاق بن راہویہ مطبوعہ جلد ۱۴۶ رقم الحدیث ۲۹۶) امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مصنف (ج ۳ ص ۲۵۸ طبع طیب اکیڈمی ملتان) میں بسند صحیح حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے جس کے راوی یزید بن ہارون، محمد بن عمرو بن علقمہ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہم ہیں جو سب صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ اور سچے ہیں۔ (تقریب ملاحظہ ہو)

ایک اور روایت بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بحوالہ طبرانی اوسط امام ہیثمی نے ذکر فرمائی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ الآن یسمع خفق نعالکم ابھی میت تمہارے جوتوں کی کھسکاہٹ سن رہا ہے، اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے جس کو امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مقامات میں اور کئی محدثین نے حسن الحدیث کہا ہے۔ (ج ۳ ص ۱۷۷، ۱۷۸) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سند صحیح سے حدیث ابوہریرہ روایت کی ہے۔ (الاعتقاد ص ۱۳۳) اور امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ طبرانی کبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی حدیث سمع قرع نعال ذکر فرما کر اس کے متعلق فرماتے ہیں "رجالہ ثقات" اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۸ رقم ۴۲۷۷) نیز حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ

کی طویل حدیث جو ابو داؤد اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے اور بسند صحیح ہے۔ (اور معارف القرآن کے حوالے سے مولانا امیر عبداللہ نے اس کو ذکر کرتے ہوئے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ (اعلان حق ص ۴۶)) اس میں بھی ''انہ لیسمع خفق نعالھم '' کے الفاظ ہیں (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۰۶ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۶ طبع مکتبہ حقانیہ ملتان) تو حدیث سمع قرع نعال کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار صحابی (حضرت انس ابو ہریرہ، ابن عباس، براء بن عازب رضی اللہ عنہم ہیں تو حدیث مشہور کی تعریف میں داخل ہوئی۔ (الباعث الحثیث ص ۸۷، قواعد فی علوم الحدیث) جس کے مضمون کا انکار بعض نے کفر کہا لیکن راجح یہ ہے کہ اس کا انکار فسق اور گمراہی ہے۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۲۶۶ طبع قدیمی کتب خانہ)

علامہ قاسم بن قطلو بغا رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''وانکار الخبر المشھور بدعۃ وضلالۃ'' (حاشیہ علی المسائرۃ ص ۲۲۳) خبر مشہور کا انکار بدعت اور گمراہی ہے۔

<u>قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ</u>: اور حدیث سمع قرع نعال کے ایک راوی قتادہ کے بارے میں مولوی صاحب لکھتے ہیں: ''ایک روایت میں قتادہ بن دعامہ ہے جو مدلس اور قدری تھا۔'' (اعلان حق دوم ص ۵۵)

<u>جواب</u>: اس سے پہلے تو آپ انہیں بزرگوں میں لکھ کر ''حضرت قتادہ'' کہتے ہیں۔ (اعلان حق ص ۳۲) قتادہ صحاح ستہ کا راوی ہے امام ذہبی اس کو الحافظ العلامہ کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۲) اور یہ کہ حافظ ثقہ ثبت ہے لیکن مدلس ہے اور فرقہ قدریہ سے ہونے سے متہم ہے مگر اس کے باوجود صحاح ستہ والے حضرات نے اس کی حدیث کو حجت بنایا ہے بالخصوص جب حدثنا کہے۔ (میزان ج ۳ ص ۳۸۵) امام ابن سیرین فرماتے ہیں قتادہ سب سے زیادہ حافظ حدیث ہے۔ (تہذیب ج ۵ ص ۶۵۷) علامہ ابن حجر کہتے ہیں ثقہ وثبت ہے۔ (تقریب ج ۲ ص ۲۶) امام ابراہیم بن یعقوب جوزجانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ قتادہ ان راویوں میں سے ہے کہ جنہوں نے تقدیر میں کلام کیا مگر ان کی انتہائی دین داری سچائی اور حدیث میں امین ہونے کی وجہ سے محدثین نے ان کی حدیث لی، بری رائے کے باوجود ان پر جھوٹ کا وہم تک نہیں کیا جاسکتا (احوال الرجال ص ۱۸۲، ۱۸۷) امام احمد بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گزشتہ لوگوں میں قتادہ سے آگے تو کم پائے گا ہاں ان کا مثل شاید پالے، امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ثقہ ہے، ابن سعد کہتے ہیں کہ قتادہ ثقہ قابل اعتماد اور حدیث میں حجت تھے (تہذیب ج ۵ ص ۶۵۹، ۶۵۸) علامہ ذہبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ومع ھذا الاعتقاد الردی ما تأخر احد عن الاحتجاج بحدیثہ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۳) اس کے فرقہ قدریہ سے ہونے کے برے عقیدہ کے باوجود اس کی حدیث سے حجت پکڑنے سے کوئی محدث پیچھے نہیں ہٹا۔

رہی علامہ شامی رحمۃ اللہ کی بات تو ایک جگہ آپ نے لکھا ہے کہ: ''بعض کی صحیح سند پر بحث کئے بغیر کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔'' (اعلان حق ص ۴۳) ہم کہتے ہیں ایسے ہی کسی کی حدیث پر جرح سند پر بحث کئے بغیر کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ احادیث کے بارے ان کی بات پر تسلی نہیں کی جاسکتی جب کہ کوئی ایک محدث بھی ان کی اس بات میں مؤید نہیں ہے، بہر حال یہ حدیث صحیح ہے کوئی شک نہیں، معلول کہنا اپنے اجتہاد سے ہے اتنے محدثین کے مقابلہ میں ان کا اجتہاد کچھ وزن نہیں رکھتا۔

<u>دوسری حدیث</u>: (۲) ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس پر بھی مولوی صاحب نے جرح کی ہے وہ حدیث یوں ہے: ''ما من احد مر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام'' (الاستذکار ج ۱ ص ۱۸۵ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت قال ابن تیمیہ صححہ ابن عبد البر وقال الحافظ عبد الحق اسنادہ

صحیح الصارم المنکی ص ۲۱۴) جو بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے اور وہ اس کو دنیا میں پہچانتا تھا اور گزرنے والا سلام کرے تو وہ اس سلام کرنے والے کو پہچان بھی لیتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔"

کئی بزرگوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، علامہ محمد بن احمد بن عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وقال الحافظ ابو محمد عبد الحق الاشبیلی فی کتاب العاقبة ذكر ابو عمر بن عبدالبر من حديث ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ الی ان قال وهو صحیح الاسناد" (الصارم المنکی ص ۲۱۴) یعنی حافظ عبد الحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العاقبۃ میں اس روایت کو ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ صحیح سند والی ہے۔

امام عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ذکر کر کے علامہ ابن عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو رد نہیں کیا جو اُن کے تسلیم کرنے کی دلیل ہے، نیز امام ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ اسکو ابن عبد البر نے خود بھی صحیح کہا ہے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو "الخبر الصحیح" کہتے ہیں یعنی صحیح حدیث ہے۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۰)

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: "ابن عبد البر خرجه في التمهيد و لاستذكار باسناد صحيح" (فیض القدیر ج ۵ ص ۴۳۲) ابن عبد البر نے تمہید اور استذکار میں صحیح سند کے ساتھ تخریج کی ہے۔"

امام مناوی نے اس کو رد نہیں کیا تو وہ بھی صحیح سند والی سمجھتے ہیں۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمهید بسند صحیح" (حاشیہ مراقی ص ۶۲۱) یعنی ابن عبد البر نے یہ روایت صحیح سند سے روایت کی ہے۔

معلوم ہوا کہ سب راوی ثقہ ہیں اور روایت صحیح ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: "قال عبد الحق الاشبيلي اسناده صحيح يشير الى ان رواته كلهم ثقات وهو كذالك الا انه غريب بل منكر" (احوال القبور ص ۱۴۱) عبد الحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور واقعی سب راوی ثقہ ہیں مگر غریب بلکہ منکر ہے۔

یہاں غریب و منکر سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ ضعیف ہے بلکہ غریب و منکر کا اطلاق اس روایت پر بھی ہوتا ہے جس کا راوی کوئی ایک ہو یعنی صرف ایک سند ہو۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الامام احمد و البرديجي و غيرهما يطلقون المنكر على الحديث الفرد الذى لا متابع له سواء تفرد به الثقة او غيره" (توجيه القارى الى القواعد والفوائد الاصولية والحديثية والاسنادية فی فتح الباری ج ۱۵ ص ۶۷) امام احمد اور بردیجی اور دوسرے کئی محدثین منکر اس منفرد حدیث کو بھی کہہ دیتے ہیں جس کا کوئی متابع نہ ہو چاہے اس میں تفرد ثقہ راوی کا ہو یا غیر ثقہ کا۔

علامہ ظفر احمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "والقدماء كثيرا ما يطلقونه على مجرد ما تفرد به راويه وان كان من الثقات فيكون حديثه صحيحاً غريباً" (قواعد فی علوم الحدیث بحث في الفرق بين قولهم حديث منكر و منكر الحديث و يروى المناكير) متقدمین حدیث منکر کا بکثرت اطلاق محض اس پر کر دیتے ہیں جس کا راوی اکیلا ہو اگر چہ ثقہ ہو، تو (جب راوی ثقہ ہو چاہے اکیلا ہو) ایسے کی حدیث صحیح غریب ہوگی۔

تو سند اور راوی ایک ہونا روایت کے ضعف کی دلیل نہیں لہذا کوئی اس لفظ سے حدیث کے ضعیف قرار دینے کی جرات نہ کرے، علامہ آلوسی نے علامہ ابن رجب سے ضعیف منکر کا حکم نقل کرنے میں غلطی کی ہے، ابن رجب ضعیف منکر نہیں کہہ رہے بلکہ غریب منکر کہہ رہے ہیں۔

اس حدیث کے جواب میں مولوی صاحب نے دو باتیں کیں ایک یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا مسلک اس کے خلاف ہے، اس کا جواب گزر چکا ہے کہ یہ بے سند بات ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک مولوی صاحب باسند پیش کریں (کوکب دری میں کوئی سند ذکر نہیں) دوسری بات یہ کی کہ اس کی سند میں راوی ابن سمعان کذاب اور یحییٰ بن یمان مجروح راوی ہے۔　　(اعلان حق ص ۴۳)

لیجئے اس کی سند دیکھ لیں: ''اخبرنا ابو عبد الله عبيد بن محمد بن محمد قراءةً منى عليه سنة تسعين وثلثمائة في ربيع الأول قال املت علينا فاطمة بنت الريان المستملي في دارها بمصر في شوال سنة اثنتين واربعين وثلاث مئة قالت حدثنا الربيع بن سليمان المؤذن صاحب الشافعي قال حدثنا بشير بن بكير عن الاوزاعي عن عطاء عن عبيد بن عمير عن ابن عباس رضی اللہ عنہ'' الخ! اس سند میں نہ کوئی ابن سمعان ہے نہ یحییٰ بن یمان ہے، جب یہ راوی ہی سند میں موجود نہیں تو مولوی صاحب کی جرح اُنہی پر لوٹی، معلوم نہیں مولوی صاحب نے کہاں سے نقل ماری ہے۔

اور اس روایت کی تائید دوسری کئی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً:

<u>تیسری حدیث</u>: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم شہداء احد کے پاس ٹھہرے اور فرمایا قیامت کے دن ان شہداء کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دینا۔

''فاتوهم وزوروهم وسلموا عليهم فوالذي نفسي بيده لا يسلم عليهم احد الى يوم القيامة الا ردوا عليه'' (مسند ابن الجعد ص ۴۳۳ ح ۲۹۴۵ و سنده صحيح و رواته محمد بن حبيب الجارودي ناعبدالعزيز بن ابى حازم المخزومي عن ابيه سلمة بن دينار الاعرج المدني عن سهل بن سعد وهؤلاء ثقات رواة الصحاح الستة غير محمد بن حبيب الجارودي وهو ثقة صدوق كما قال السخاوى فى القول البديع ص ۱۱۸ والمقاصد الحسنه ص ۳۶۵، حرف المیم حدیث ۹۲۸)

ان کے پاس حاضر ہوا کرو اور زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی ان کو سلام کرے گا یہ لوگ اس کو سلام کا جواب دیں گے۔

<u>چوتھی حدیث</u>: حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی قبروں کی زیارت کی اور فرمایا: ''اللهم ان عبدك ونبيك يشهد ان هؤلاء شهداء وانه من زارهم وسلم عليهم الى يوم القيامة ردوا عليه'' (مستدرک ج ۳ ص ۲۵۱ ح ۴۳۷۳، وقال اسناد صحیح وقال الذہبی مرسل ج ۲ ص ۳۶۵ ح ۳۰۲۷، وصححه، شرح الصدور ۱۷۶، حلية الاولياء ج ۱ ص ۱۵۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹۰ عن معجم الكبير و فى سنده ابو بلال مرداس الاشعرى ضعفه الدارقطني قلت لكن ذكره ابن حبان في الثقات ووثقه، لسان المیزان ج ۷ ص ۲۲) اے اللہ! تیرا بندہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کرے گا اور ان کو سلام عرض کرے گا یہ سن کر) اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

<u>فائدہ</u>: ہمارے مطالعہ کے مطابق اس روایت کا راوی (۱) ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل ترمذی صدوق یعنی سچا راوی ہے۔ (تقریب ج ۲ ص ۵۶) (۲) عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی بخاری ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ وغیرہ کا راوی

ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں سچا راوی ہے، ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا، دار قطنی فرماتے ہیں حجت ہے خلیلی فرماتے ہیں ثقہ اور متفق علیہ ہے، (تہذیب ج ۴ ص ۴۵۱) ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۲۰۵) (۳) سلیمان بن بلال تیمی مدنی ثقہ صحاح ستہ کا راوی ہے۔ (۴) عبدالاعلی بن عبداللہ بن ابی فروہ سے متعلق ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ اور فقیہ ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۵۵۱) (۵) قطن بن وہب بن عویمر لیثی کے متعلق فرماتے ہیں صدوق یعنی سچا راوی ہے۔ (تقریب ج ۲ ص ۳۱) اور (۶) عبید بن عمیر اگر ابو عثمان اصبحی ہو تو مقبول راوی ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۶۴۶) اور اگر ابو عاصم مکی ہو تو بھی صحاح ستہ کا راوی ہے اور اس کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔ (تقریب ج ۱ ص ۶۴۵)

پانچویں حدیث: حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے متعلق فرماتے ہیں:

''انہ کان یرجع من ضیعتہ فیمر بقبور الشھداء فیقول السلام علیکم وانا بکم للاحقون، ثم یقول لاصحابہ الاتسلمون علی الشھداء فیردون علیکم'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲۱ بسند عبیداللہ بن موسی بن ابی المختار، محمد بن عبدالرحمن بن مغیرۃ، فرقۃ بن خالد السدوسی عامر بن سعد بن ابی وقاص، ولاشک فی صحۃ سندہ ورواتہ ثقات)

وہ اپنی زمین سے واپس ہوتے تو شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے اور کہتے السلام علیکم و انا بحکم للاحقون، پھر ساتھ والوں سے فرماتے شہداء کو سلام کیوں نہیں کرتے ہوتا کہ وہ سن کر تمہیں سلام کا جواب دیں۔

چھٹی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرا راستہ قبرستان سے گزرتا ہے تو کیا گزرتے وقت کوئی کلام ان کو کہا کروں؟ فرمایا السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون کہا کر۔ عرض کیا یا رسول اللہ؟ کیا وہ سنتے ہیں؟ فرمایا ہاں سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے (یعنی ایسا جواب جو تم سن سکو ورنہ جواب دیتے ہیں)

اس روایت کو امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے لیکن فرمایا کہ اس کی سند میں راوی محمد بن اشعث نسب و روایت میں مجہول ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔ (احوال القبور ص ۱۴۱) تو یہ روایت سند ضعیف ہونے کی وجہ سے شاہد ہے۔

ساتویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ما من عبد یمر علی قبر رجل مسلم یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام'' (احوال القبور ص ۱۴۲ کنز العمال ح ۴۲۵۹۵ طبع نشر السنہ ملتان عن تمام والخطیب وابن عساکر وابن النجار) جو بندہ مسلمان کی قبر کے پاس سے گزرے اور وہ قبر والا دنیا میں اس کو پہچانتا تھا اور سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

اس کی سند میں راوی عبدالرحمن بن زید بن اسلم ہے اگرچہ کئی محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں مگر امام ابن عدی اور منذری رحمۃ اللہ علیہ نے صالح الحدیث کہا ہے، امام حاکم نے اس کی حدیث مستدرک میں ذکر کر کے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (ج ۳ ص ۲۱۶ ح ۴۲۸۱) علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیس ممن یر دخبرہ مطلقا (مقالات ص ۲۹۵) یہ ان راویوں میں سے نہیں جس کی حدیث بالکل رد کی جاسکے، تو یہ روایت حسن درجہ کی ہے، کنز العمال میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے وسندہ جید اس حدیث کی سند عمدہ ہے اور کنز العمال میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بحوالہ ابو الشیخ و دیلمی ان الفاظ میں مذکور ہے۔ ''ما من رجل یزور قبر حمیمہ فیسلم علیہ ویقعد عندہ الارد علیہ السلام وأنس بہ حتی یقوم من عندہ'' (حدیث ۴۲۵۹۴) جو آدمی بھی اپنے دوست کی قبر کی زیارت کرے اور سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور مانوس ہوتا ہے حتی کہ آدمی اس کے پاس سے اٹھ جائے۔''

آٹھویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: ''اذا امر الرجل بقبر یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام وعرفه واذا امر بقبر لا یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام'' (شرح الصدور ص ۱۷۵ بحوالہ ابن ابی الدنیا شعب الایمان ج ۷ ص ۱۷ ح ۹۲۹۶، کنز العمال ح ۴۲۹۸۶) جب آدمی ایسے کی قبر کے پاس سے گزرے اس کو جانتا ہو اور سلام کرے تو وہ سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور (آواز سے) پہچان بھی لیتا ہے اور اگر ایسے کی قبر کے پاس سے گزرے جو اس کو نہیں پہچانتا تھا اور سلام کرے تو بس وہ سلام کا جواب دیتا ہے (پہچانتا نہیں)

نویں حدیث، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان: اور ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے: ''ما من رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الاستأنس ورد علیه السلام'' (شرح الصدور ص ۱۷۵ بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب القبور) جو آدمی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس بیٹھے وہ اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اس کی سند میں عبداللہ بن زیاد بن سمعان فقیہ مدنی ہے جو ضعیف ہے لیکن روایات مذکورہ کے متن کی شاہد بن سکتی ہے۔

دسویں حدیث: حضرت عبید بن مرزوق سے مرسل صحیح حدیث ہے (جس کو امام منذری رحمۃ اللہ علیہ صحیح مانتے ہوئے صحت کی علامت لگاتے ہیں) کہ مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی جس کو ام محجن کہتے تھے مسجد نبوی کی صفائی کرتی تھی، فوت ہوگئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم ہم نے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر کے پاس صفیں بندھوا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت سے مخاطب ہوئے کہ کونسا عمل تو نے افضل پایا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ: کیا سنتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سنتے ہو (یعنی سننے میں تم اور وہ برابر ہو) پھر فرمایا کہ اس عورت نے مجھے جواب دیا کہ مسجد کی صفائی میں نے افضل عمل پایا۔ (احوال القبور ص ۱۳۴، الترغیب للمنذری وصححہ ج ۱ ص ۹۷ بحوالہ ابوالشیخ اصفہانی)

علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ اس کو اور حدیث قلیب بدر کو ذکر فرما کر فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہو کہ یہ نبی کریم سے خاص یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ (احوال القبور ص ۱۳۴)

اہل قبور کو سلام کرنے کی احادیث اور سماع موتی: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ''یقیناً قبرستان میں السلام علیکم یا اہل القبور کہنا چاہیے لیکن صحیح حدیثوں میں سماع کا تذکرہ تک نہیں ہے، خطاب کرنے سے ضروری نہیں ہے کہ مخاطب اس کو سنے نماز میں السلام علیک ایھا النبی سے خطاب ہے کیا پیغمبر علیہ السلام ہر نمازی کا یہ سلام سنتے ہیں؟ زیارت قبور کی دعا ہے سلام تحیہ نہیں کہ مردہ اس کا جواب بھی دے کیونکہ جواب ثواب کا عمل ہوگا۔ اس لئے سلام سننا ضروری نہیں ہے اور نہ جواب دینا ضروری ہے خطاب کے لئے سماع لازمی نہیں۔ (اعلان حق ص ۴۳)

جواب: ٹھیک ہے کہ خطاب سے سماع ضروری نہیں مگر سماع نہ ہونا بھی تو ضروری نہیں ہے، مگر محال بھی نہیں اور سماع ممکن تو ہے، جب اوپر ذکر کی ہوئی متعدد حدیثوں سے ثابت ہوا کہ میت سلام سنتا ہے پھر اکابرین نے بھی تصریح کی ہے کہ سلام سنتے ہیں اور حضرت ابورزین کی حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔ (دیکھیں مرقات ج ۴ ص ۲۲۱، روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۸، شرح الصدور) تو سلام وخطاب کو سن لینا حق ہے۔

امام ابن کثیر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وقد شرع السلام علی الموتی والسلام علی من لم یشعر ولا یعلم بالمسلم محال وقد علم النبي امته ازار أو القبوران یقولو اسلام علیکم ..... فهذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع ویخاطب ویعقل ویرد وان لم یسمع المسلم الرد'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳

ص ۴۳۹) اور مردوں کو سلام شرعی حکم ہے اور اس کو سلام کرنا جس میں شعور نہ ہو اور سلام کرنے والے کو نہ جانے محال ہے، جب کہ نبی کریم ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ جب قبر دیکھیں تو ان کو سلام کہیں، تو یہ سلام اور خطاب اور آواز ایسے موجود کو ہے جو سنتا ہے اور مخاطب بنتا ہے اور سمجھتا ہے اور جواب دیتا ہے چاہے سلام کرنے والا اس کا جواب نہ سنے۔

علامہ ابن قیم حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''و قد شرع النبی الامتہ اذا سلموا علی اھل القبور ان یسلموا علیھم سلام من یخاطبونہ فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین و ھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولو لا ذالك لکان ھذا الخطاب بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد'' (الروح ص ۱۰) نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لئے یہ شرعی حکم بنا دیا کہ جب اہل قبور کو سلام کریں تو اس شخص کو سلام کرنے جیسا سلام کریں جس کو مخاطب بنا سکیں تو آدمی کہے تم پر سلام ہو اے مؤمنین لوگوں کے گھرانے کے لوگو! اور یہ خطاب ہے اس کو جو سنے اور سمجھے، اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب معدوم اور جماد (بے حس شئی) کو خطاب جیسا ہوگا۔ (جو غیر معقول ہے، معلوم ہوا کہ اموات جماد نہیں)

مولانا عبدالقادر رافعی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ان سمع الموتی لکلام الاحیاء متحقق و لو لا ذلك لما کان لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام السلام علیکم دار قوم مؤمنین ..... معنی'' (تحریر المختار لرد المختار المعروف تقریرات رافعی ج ۲ ص ۳۳ طبع مصر) بے شک مردوں کا زندوں کی کلام سننا ثابت ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان السلام علیکم دار قوم مؤمنین کا کوئی مطلب نہیں۔ (فضول کلام ہے)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وہم چنیں آنکہ در زیارت آنحضرت ﷺ اہل بقیع را آمدہ کہ سلام کرد برایشاں وخطاب کرد مرایشاں وگفت سلام برشما اے اہل دار مسلمانان آمد شما آنچہ وعدہ کردہ شدہ بودید و ما نیز ان شاء اللہ تعالیٰ می پیوندیم بشما زیرا کہ خطاب باکسے کہ نشنود وفہمد معقول نیست ونزدیک است کہ شمار کردہ شود از جملہ عبث (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۲۱، ۴۲۰) ایسے ہی یہ بات بھی سماع موتی کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے جنت البقیع والوں کی زیارت کے وقت ان کے پاس آ کر ان کو سلام کیا اور خطاب کیا اور فرمایا سلام تم پر اے مسلمانوں کے گھرانہ والو! تم وعدہ کی ہوئی چیزوں تک پہنچ گئے اور ہم بھی انشاء اللہ تمہیں ملنے والے ہیں، یہ (سماع کی دلیل ہے) اس لئے کہ اس کو خطاب کرنا جو نہ سنے نہ سمجھے معقول بات نہیں ہے اور بیکار کاموں میں سے شمار ہوسکتی ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بل یکون ذالك في السلام عند الزیارۃ مطلقاً فالمیت یسمع اللہ تعالی روحہ السلام علیہ من زائرہ في ای وقت کان ویقدرہ سبحانہ علی رد السلام کما جاء في بعض الآثار وما اخرجہ العقیلي من انھم یسمعون السلام والا یستطیعون ردہ محمول علی نفی استطاعۃ الرد علی الوجہ المعھود الذي یسمعہ الاحیاء'' (روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۸) یہ سلام سننا مطلقاً زیارت کے وقت سلام کرنے میں ہوتا ہے تو میت کی روح کو اللہ تعالیٰ زیارت کرنے والے کا سلام سناتے ہیں جو نسے وقت میں بھی ہو اور اس کو جواب دینے کی طاقت دیتے ہیں جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے اور جو عقیلی نے روایت کیا کہ مردے سلام سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے وہ اس پر محمول ہے کہ مشہور طریقہ کا جواب جس کو زندہ سنیں نہیں دے سکتے۔ (ورنہ تو جواب دیتے ہیں، یہی توجیہ شرح الصدور ص ۱۸۶ میں ہے۔''

سر دست اتنے حوالے کافی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ یہ سب اکابر سلام اہل قبور سے سماع موتی ثابت مانتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ قبروں والے سلام سنتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ سلام خطاب نہیں دعاء ہے، تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''السلام الذی یعم الحی

والميت هو الذي يقصد به التحية كالسلام عند تلاق او زيارة قبر" (روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۶) جو سلام زندہ مردہ ہر دو کو عام ہے وہ وہی ہے جس سے تحیہ مقصود ہوتا ہے (نہ کہ صرف دعاء) جیسے ملاقات کے وقت سلام کرنا یا زیارت قبر کے وقت سلام کرنا یہ تحیہ ہے نہ کہ فقط دعاء)

باقی جناب! التحیات پڑھتے ہوئے آدمی کوئی قبر نبوی پر تھوڑا ہی حاضر ہوتا ہے کہ جناب اس سے ثابت کرتے ہیں کہ قبر کے پاس سلام میں خطاب مقصود نہیں ہوتا، یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب قبر پر حاضر نہ ہو تو السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته سے خطاب مقصود نہیں ہوتا، یہ غیر متنازع فیہ صورت ہے اس پر متنازع فیہ کو قیاس کرنا جناب جیسے عقل مند لوگوں کا ہی کام ہے۔

فقہ حنفی اور سماع موتی: یہاں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی میں سماع موتی کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو اس بارے میں کتابوں میں ایک مسئلہ قسم کا آتا ہے جس سے منکرین سماع موتی عدم سماع پر استدلال کرتے ہیں اور ملا علی قاری حنفی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم سے اس کے بارے میں وضاحت گزر چکی ہے کہ وہ عرف پر محمول ہے یعنی کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا پھر دفن ہو جانے کے بعد اس سے کلام کی تو حانث نہیں ہوگا، اس کے بارے میں ان حضرات نے فرمایا کہ مرنے کے بعد کلام کرنے کو کلام نہیں کہتے اس لئے یہ کلام کرنا کلام نہ کرنا ہے، اس لئے حانث نہیں ہوگا، اگر بعض حضرات نے وجہ یہ بیان کی کہ اس لئے حانث نہ ہوگا کہ مردہ سنتا نہیں ہے، تو اگر چہ اس سے مراد بھی وہ سننا ہے جو کلام کا مقصود ہوتا ہے یعنی عمل کروانا، اگر بالفرض مطلق سننا مراد ہو تو اس سے عدم سماع کی رائے ظاہر ہوئی جب کہ اس کے علاوہ تین مسئلے اور ہمارے سامنے آئے ہیں۔

(۱) پہلا یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قبرستان میں قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا چاہتا ہے اور قبرستان میں پڑھنے کی غرض یہ ہے کہ اس کی آواز سے مردے مانوس ہوں تو اس غرض سے قبرستان میں پڑھ سکتا ہے، الفاظ یہ ہیں: "ان قرأ القرآن عند القبور ان نوى بذالك ان يؤنسهم صوت القرآن فانه يقرأ فان لم يقصد ذالك فالله تعالى يسمع قرأة القرآن حيث كان" (فتاوی قاضی خان ج ۴ ص ۷۶، ۳، ۵۷ ۳ فتاوی عالمگیری ج ۴ ص ۲۳۰) اگر کوئی قبروں کے پاس قرآن شریف پڑھے تو اگر یہ نیت ہو کہ مردوں کو قرآن کی آواز سے مانوس کرے تو پڑھے اور اگر یہ غرض نہیں تو (جہاں ہو وہیں پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تلاوت سنتے ہیں جہاں بھی ہو۔"

اس مسئلہ کی عبارت میں صوت القرآن کے لفظ واضح ہیں کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتے کہ مردے قرآن مجید کی آواز سن لیتے ہیں اور ان کو انس حاصل ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ دفن کے بعد تلقین کا ہے کہ فقہ حنفی اس تلقین کو ناجائز نہیں کہتی بلکہ فقہ میں ہے کہ: "و تلقينه بعد الدفن حسن و استحبه الشافعية" (حاشیہ طحطاوی علی المراقی ص ۶۱۶) میت کو دفن کے بعد تلقین کرنا اچھا ہے اور شوافع نے اس کو حدیث ابوامامہ کی وجہ سے مستحب کہا ہے، لا ينهى عن التلقين لانه لاضرر فيه بل فيه نفع فان الميت يستأنس بالذكر (سماع موتی ص ۲۳۰ بحوالہ غنیۃ المستملی ص ۵۳۳، حاشیہ الطحطاوی علی المراقی ص ۵۶۰) تلقین بعد دفن سے نہیں روکا جائے گا کیونکہ اس سے ضرر تو کچھ نہیں ہاں اس میں (میت کا) نفع ہے کیونکہ میت ذکر سے مانوس ہوتی ہے۔"

میت کا مانوس ہونا فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت سے بھی ثابت ہے جو وفات کے وقت فرمائی کہ میرے دفن کے بعد میری قبر پر اتنی دیر تک ٹھہرنا جتنی دیر تک اونٹ ذبح ہو کر تقسیم ہو جائے حتى استأنس

بحکم تا کہ میں تمہارے ذریعہ سے مانوس رہوں۔

(مسلم ج ۱ ص ۷۶ کتاب المختصر من لابن ابی الدنیا رقم الحدیث ۱۰۷، الزھد لابن المبارک ص ۱۵۵، ۱۵۴)

اور ظاہر ہے کہ میت تب ہی مانوس ہوسکتا ہے جب اس میں اتنا علم وشعور و اور سماع ہو جس سے پاس بیٹھنے والوں اور تلقین کرنے والوں کی تلقین سن سکے۔

علامہ عبدالروٴف مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "قال ابن القیم الحدیث نص في ان المیت یسمع ویدرك وقد تواترت الاخبار عنهم بذالك واذا كان یسمع قرع النعال فهو یسمع التلقین .... المیت یسمع التلقین لوجود الاتصال المذكور" (فیض القدیر ج ۲ ص ۵۱۴)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث قرع نعال نص ہے اس بارے میں کہ میت سنتا اور ادراک کرتا ہے اور اموات کے متعلق سماع کی احادیث متواتر ہیں اور جب جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے تو تلقین بھی سنتا ہے۔تو میت تلقین سنتا ہے کیونکہ روح کا جسم عنصری سے تعلق موجود ہے۔

مزید تفصیل استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب (سماع الموتی ص ۲۳۰) میں دیکھیں۔

(۳) تیسرا مسئلہ اہل قبور و قبرستان میں خطاب کے الفاظ سے سلام کا ہے، جس کی احادیث بھی صحیح ہیں جیسا کہ مولوی صاحب نے مانا ہے، احناف شوافع حنابلہ اکابرین کی تصریحات بھی ذکر ہوگئیں کہ اس سلام کو سماع موتی کی دلیل بناتے ہیں اور سلام سننا ثابت مانتے ہیں اور کئی احادیث بھی سماع سلام ثابت کرتی ہیں جیسا کہ ابھی تفصیل سے ذکر ہوگیا ہے۔

ہم مولوی صاحب سے گزارش کریں گے کہ جناب والا اپنے خیال کے مطابق عام مردوں کے سماع کے بارے میں اپنی رائے اور اس پر جو دلائل بھی رکھیں بے شک رکھیں لیکن اس کو راجح مرجوح کا مسئلہ بنائیں حق و باطل کا مسئلہ نہ بنائیں، ہم عام موتی کے عدم سماع میں جناب کو کوئی برا نہیں کہنا چاہتے نہ کہنا چاہئے مگر حد سے آگے نہ نکلیں (اور نبی کریم ﷺ کی حیات اور سماع کا انکار چھوڑ دیں) اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

مولوی صاحب کے استاذ محترم مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مولوی صاحب کے استاذ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی میں ہے: "یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے ترجیح میں اختلاف ہے بعض علماء عدم سماع کو راجح قرار دیتے ہیں اور بعض سماع کو، ہمارے ہاں قول ثانی راجح ہے (کہ عام مردے بھی سنتے ہیں)"

(فتاوی مفتی محمود ج ۱ ص ۱۵۱، ۲۵۵)

متعدد احادیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ قبر شریف کے پاس صلوۃ وسلام کو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں۔

(فتاوی مفتی محمود ج ۱ ص ۲۵۴)

نبی کریم ﷺ کی صرف روحانی برزخی زندگی پر مولوی صاحب کے دلائل: مولوی صاحب نے پانچویں باب میں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی حیات کے متعلق بحث کی ہے، علماء دیوبند کے متعلق کہتے ہیں کہ: "ہمارے معاصرین اس مسئلہ میں عجیب پریشانی میں مبتلا ہیں، کبھی کہتے ہیں آپ ﷺ کی روح اعلی علیین میں ہے اور اس کا تعلق جسم مبارک سے ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ جسم کے اندر داخل ہے۔ (اعلان حق دوم ص ۶۰)

حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی روح مبارک کے جسم کے اندر مکمل داخل رہنے کا قائل نہیں ہے نہ مولوی صاحب ایسی تصریح دکھا سکتے ہیں۔

استاذ مکرم مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: ''جہاں (قبر مبارک میں) آپ ﷺ کا جسد اطہر موجود اور حاضر ہے اور آپ ﷺ کی روح مبارک کا باوجود ملأ اعلیٰ اور علیین میں ہونے کے آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ایسا اعلیٰ اور اکمل تعلق ہے جس سے بڑھ کر عالم برزخ میں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس جو شخص درود شریف پڑھتا ہے آپ بنفس نفیس سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ (ازالۃ الریب ص ۳۷۵)

مولوی صاحب اپنے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آپ ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے آپ ﷺ کی یہ زندگی برزخی ہے دنیا کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے، شہداء کی زندگی سے اعلیٰ ہے، تاہم وہ نہ دنیوی زندگی ہے اور نہ دنیا کی سی ہے بلکہ برزخی ہے۔'' (اعلان حق ص ۴۴)

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''ہم نبی کریم ﷺ کی روح مبارکہ کو اعلیٰ علیین اور جنۃ الماء دی میں مانتے ہیں۔'' (ص ۷)

سوال یہ ہے کہ کیا علیین اور جنت ایک ہے، یا علیین جنت میں ہے؟ اس پر کوئی نص قطعی آیت قطعی الدلالت یا حدیث متواتر پیش فرمائیں؟ اور کیا نبی کریم ﷺ کی روح مبارکہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے پر مولوی صاحب کوئی آیت قطعی الدلالہ یا حدیث متواتر پیش کر سکتے ہیں؟ پہلے سوال کا جواب تو مولوی صاحب کی ساری پارٹی ملکر بھی قطعی ثبوت کے ساتھ نہیں دے سکتی انشاء اللہ۔

نبی کریم ﷺ کی صرف روح کی زندگی اور مولوی صاحب کے دلائل؟ اور دوسرے کے جواب میں مولوی صاحب کی دلیل قطعی کونسی ہے؟ اس بارے میں ان کے دلائل کا خلاصہ اور جواب ملاحظہ ہو، قارئین کو واضح معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے پاس ایک اور صرف ایک بھی آیت قرآنی یا حدیث متواتر بلکہ خبر واحد صحیح کیا ضعیف اور کسی عالم دین کا کوئی صاف قول نہیں ہے کہ آپ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام قبر مبارک میں مردہ ہیں آپ ﷺ کا جسم بے جان روح کے تعلق کے بغیر سالم پڑا ہے اور صرف روح زندہ ہے۔

پہلی دلیل: (۱) آیت و من ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ہے حالانکہ اس میں صرف یہ ذکر ہے کہ وفات کے بعد وفات پانے والے برزخ میں ہیں، اس پر سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک برزخ اور علیین و سجین ایک جگہ ہے؟ اس پر نص قطعی الثبوت پیش فرمائیں؟ پھر اس سے یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی روح مبارکہ اعلیٰ علیین میں ہے اور صرف روح کی زندگی ہے؟ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ برزخ میں ہیں اور صرف روح یا صرف جسم عنصری کے برزخ میں ہونے کا ذکر نہیں مطلق ہے، تو دونوں برزخ میں ہیں، برزخ دراصل زمانہ ہے پھر اس زمانہ کے اندر رہنے والوں کے لئے مکان بھی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے: ''البرزخ مابین الموت الی البعث'' (الامالی للشجری ج ۲ ص ۴۰۶) برزخ موت کے بعد سے قیامت میں کھڑے ہونے تک کا زمانہ ہے۔

تو نبی کریم ﷺ کی ذات اطہر (مجموعہ روح و جسم) اور ہر میت برزخ میں ہے؟ اور چونکہ جسم اطہر قبر میں اور روح مبارکہ اپنے مقام میں ہے تو ہر ایک کا اپنا اپنا مقام برزخ ہے، تو قبر بھی تو برزخ کا حصہ ہے کوئی ایک بزرگ بھی قبر کے برزخ نہ ہونے کا قائل نہیں ہے۔

قبر بھی برزخ کا حصہ ہے: اس بارے میں بہت سے حوالے دیئے جاسکتے ہیں چند ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ھی ھذہ القبور'' برزخ یہی قبریں ہیں۔ (احوال القبور ص ۱۶)

(۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ھذا برزخ'' یہ قبر برزخ ہے۔

(احوال القبور ص ۱۶، کتاب القبور لابن ابی الدنیا ج ۵۰)

(۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ھی ھذہ القبور برزخ یہی قبریں ہیں۔
(تفسیر السمر قندی ج ۲ ص ۴۲۱، احوال القبور ص ۱۶)
(۴) حضرت ابوصخر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں البرزخ المقابر برزخ قبریں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۵۶)
(۵) علامہ عبد الجلیل بن موسیٰ قصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں قبر سے سجین وعلیین تک سب برزخ ہے۔
(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۸۵)
(۶) علامہ محمد طاہر ہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں برزخ قبر ہے۔ (مجمع بحار الانوار ص ۸۸)
(۷) علامہ ابن رجب برزخ بول کر قبر مراد لیتے ہیں۔ (احوال القبور ص ۶۸)
(۸) علامہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ الرمانی (متوفی ۳۸۴ھ) قبر اور برزخ کو مترادف کہتے ہیں۔
(الالفاظ المترادفۃ مع دیوان الحماسہ ص ۱۲)
(۹) امام ابوبکر محمد بن عزیز بجستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں برزخ یعنی القبر، آیت میں برزخ سے مراد قبر ہے۔
(نزہۃ القلوب فی تفسیر غرائب القرآن برحاشیہ تفسیر منیر الرحمن ج ۱ ص ۱۳۰)
(۱۰) مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قبر اس عالم برزخ کی پہلی منزل ہے گویا میت کے لئے قبر اور برزخ دونوں ظرف ہیں برزخ ظرف زمان اور قبر ظرف مکان۔ (حیات الاموات ص ۹)
جناب! کوئی بھی نص قطعی پڑھو کہ قبر برزخ نہیں ہے کیونکہ حجت صرف قرآن یا حدیث متواتر ہے اور یہ جناب کا عقیدہ ہے عقیدہ کو اپنی شرط کے مطابق ثابت کیجئے اور انعام حاصل کریں؟

دوسری دلیل: (۲) آیت و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات الایۃ ترجمہ مولوی صاحب کا یہ ہے اور مت کہو ان لوگوں کے حق میں جو مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کہ یہ مردہ ہیں بلکہ وہ ایسی زندگی سے ممتاز ہیں جن کا تمہیں شعور نہیں۔

مولوی صاحب نے ولکن لا تشعرون کو احیاء کے ضمن میں مصدر حیاۃ کی صفت بنایا ہے حالانکہ یہ صفت نہیں الگ جملہ اور عطف ہے اور یہ آیت تو ہماری دلیل ہے کہ جسم مقتول میں بھی زندگی ہے کیونکہ مقتول جسم عنصری ہے نہ کہ روح اور مقتول کو اللہ تعالیٰ نے زندہ قرار دیا ہے تو مقتول یعنی جسم عنصری بھی زندہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تم شعور نہیں رکھتے کیونکہ جسم عنصری کی زندگی تمہیں نہ نظر آسکتی ہے نہ سمجھ میں آسکتی ہے کہ تم تو انہیں ٹکڑے کیا ہوا دیکھتے ہو، جب ہم کہہ رہے ہیں کہ زندہ ہیں تو تم عقل سے نہ سوچو ہماری مانو بس زندہ ہیں۔

مقتول کا معنی اور حیات شہداء: طبع دوم میں مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ مقتول اس کو کہتے ہیں جس کے جسم سے روح جدا ہو جائے۔ (اعلان حق دوم ص ۲۱)
بلکہ مولوی صاحب کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ اس جسم کو کہنا چاہیے تھا کہ مقتول اس جسم کو کہتے ہیں جس سے روح جدا ہو جائے، چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اصل القتل ازالۃ الروح عن الجسد کالموت لکن اذا اعتبر بفعل المتولی لذالك یقال قتل و اذا اعتبر بفوت الحیاۃ یقال موت“ (المفردات ص ۳۹۴) قتل کا بھی موت کی طرح اصل معنی ہے جسم سے روح کا الگ کر دینا لیکن جب ازالہ روح کسی کرنے والے بندے کے فعل سے مانا جائے تو اس کو قتل کہتے ہیں اور جب حیات ختم ہونے سے مانا جائے تو اس کو موت کہتے ہیں۔

تو مقتول وہ جسم ہوا جس سے قاتل نے فعل قتل کے ذریعہ روح الگ کرنے کا فعل کیا، یعنی روح مقتول نہیں ہوا، تو جس جسم سے روح الگ کی گئی وہ مقتول ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے زندگی والا فرمایا کہ اگر چہ وہ جسم قتل ہو گیا یعنی قاتل نے اس سے روح دور کرنے کا عمل کیا ہے مگر وہی مقتول جسم زندہ ہے، قاتل نے اس کی روح الگ کرنے کی کوشش کر کے دنیا کی زندگی سے تو بظاہر محروم کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسی مقتول کو برزخ میں جسمانی روحانی زندگی بخش دی اور قاتل کے منہ میں خاک پڑی۔

حیات کا معنیٰ: یہ تو مولوی صاحب نے مقتول کا معنیٰ کر کے مغالطہ دینے کی کوشش کی مگر حیات کا بھی معنی کرتے کہ حیات کس کو کہتے ہیں؟ جب حیات کے معنی کا مطالبہ کیا جائے تو حیات کا معنی کرنے کے بجائے یہ لوگ حیات کی تقسیم شروع کر دیتے ہیں کہ جی حیات کئی قسم کی ہے، جناب! تقسیم بعد میں کرو تعریف پہلے کرو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے حوالے سے ایک صاحب نقل کرتے ہیں: ''تحقیق یہ ہے کہ حیات کے معنی کیا ہیں؟ تعلق پکڑنا روح کا ساتھ بدن کے۔ (اکابر کا باغی کون ص ۱۰۵، مولوی خضر حیات بحوالہ تفسیر عزیزی اردو ص ۲۷۶ ج ۱)

علامہ ابن ہمام اور کمال الدین محمد بن محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''و الحیاۃ عرض لازم وجودہ فی البدن تعلق الروح بالبدن عادۃ'' (المسایرہ مع المسامرۃ ص ۲۲۲) حیات وہ عرض ہے جس کے بدن میں موجود ہونے کو روح کا بدن سے تعلق عادۃً لازم ہے۔

یعنی حیات عرض قائم بالبدن ہے اور حیات ہوتی ہے تو روح کا جسم سے تعلق لازماً ہوتا ہے تو حیات اور روح کا جسم سے تعلق لازم ملزوم ہیں، اب چاہے وہ تعلق دخول کے طریقہ کا ہو جیسے دنیاوی اور آخرت کی زندگی میں ہوگا یا دخول کے بغیر جسم سے دور رہ کر خاص قسم کا غیر معلوم الکیفیت تعلق ہو جیسے برزخی زندگی میں ہوتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ اس کو سمجھانے کے لئے یہ شعر پڑھتے ہیں:

کالشمس فی کبدالسماء وضوء ھا ۔۔۔ یغشی البلاد مشارقاً ومغارباً

جیسے سورج آسمان کے اندر ہے لیکن اس کی روشنی مشرق و مغرب کے سب شہروں کو ڈھانپے ہوئے ہے۔

(مواعظ دنیا و آخرت)

امام قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمۃ اللہ بھی اس کو ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں: ''قال الامام القونوی وارواح الکفار متصلۃ باجسادھا فتعذب ارواحھا فیتألم ذالک الجسد کالشمس فی السماء ونورھا فی الأرض واما ارواح المؤمنین فی علیین ونورھا متصل بالجسد ویجوز مثل ذالک الاتری ان الشمس فی السماء ونورھا فی الأرض وکذالک النائم تخرج روحہ ومع ھذا یتألم اذا کان بہ الم ویصیب بہ راحۃ حتی یسمع منہ الضحک فی المنام'' (حاشیہ علی المسایرۃ ص ۲۲۷) امام قونوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار کی روحیں ان کے جسموں سے تعلق رکھتی ہیں تو روحوں کو عذاب ہوتا ہے تو جسم تکلیف محسوس کرتا ہے جیسے سورج آسمان میں ہے اور اس کا نور زمین میں ہے اور مؤمنین کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور ان کا نور جسم میں ہوتا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سورج آسمان میں ہے اور اس کا نور زمین میں ہے، اسی طرح سوئے ہوئے شخص کی روح نکل جاتی ہے اس کے باوجود جب اس کو درد پہنچے تو درد محسوس کرتا ہے اور اس کو راحت بھی پہنچتی ہے حتی کہ نیند کے حال میں اس کا ہنسنا سنا جاتا ہے۔

اور قرآن مجید کی نص سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف روحانی زندگی موت ہے نہ کہ زندگی ہے، ارشاد الٰہی ہے: و کنتم امواتا فاحیاکم تم مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندگی دی۔

و اذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم میں مذکور عہد الست سے اور کئی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ روحیں دنیا کے اندر انسان کے بسانے سے عرصہ پہلے پیدا ہو چکی تھیں، تو وہ عالم ارواح میں رہتی تھیں مگر جب تک دنیا والی روح و جسم کے مجموعہ کی زندگی نہیں ملی تب تک کی صرف روحانی زندگی کو کنتم امواتا میں اللہ تعالیٰ نے موت فرمایا، لہذا شہداء کی زندگی یا انبیاء علیہم السلام وغیرہ کی زندگی صرف روح کی نہیں ہے، نیز چونکہ شعور کا تعلق حواس سے ہوتا ہے والمشاعر الحواس .... لاتشعرون ای لاتدرکونه بالحواس (مفردات راغب ص ۲۶۵) مشاعر حواس ہیں، لاتشعرون کا معنی ہے تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے ہو۔

ظاہر ہے کہ روح کو دیکھنے اور اس کی زندگی، وغیرہ حالات کا حواس سے علم دنیا میں بھی نہیں ہو سکتا تھا تو برزخ میں بھی نہیں ہو سکتا، اگر لاتشعرون کا تعلق روح کی زندگی سے ہو تو اس کا شعور نہ ہو سکنا سب کو معلوم ہے، تو اس کے شعور نہ ہو سکنے کے ذکر سے تحصیل حاصل اور عبث لازم آتا ہے۔ یقیناً لاتشعرون کا تعلق اس کے حالات سے ہے جس کا حواس سے ادراک ہونا ممکن ہے اور وہ جسم عنصری ہے، تو اللہ تعالیٰ نے شہداء کی جسم عنصری کی زندگی بیان کر کے لاتشعرون فرما کر واضح کیا کہ اگرچہ اس کا حواس سے معلوم ہونا ممکن ہے مگر برزخ میں جا کر یہ امکان بھی ختم کر دیا گیا، ہاں یہ بات غلط ہے کہ ان کی زندگی دنیا کی زندگی کی طرح یوں ہے کہ روح و جسم اکٹھے ہیں بلکہ اپنے اپنے مقام میں رہ کر باہم تعلق ہے۔

اس لئے مولوی صاحب نے رسالہ کے طبع دوم میں مولانا نور محمد صاحب تونسوی دامت برکاتہم سے جو کہا کہ جناب آیت شہداء سے جو جسم عنصری کی زندگی ثابت کرتے ہیں یہ تفسیر کس حدیث میں ہے؟ یا کس صحابی سے ثابت ہے؟ یا ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے؟ مولوی صاحب کا یہ سوال غیر معقول ہے، دراصل جناب والا مماتیت کے نشہ سے مخمور ہو کر یہ نہیں سمجھ رہے کہ یہ بات تو الفاظ قرآن سے صاف واضح ہو رہی ہے اس کے لئے تو کسی مفسر کی تفسیر دکھانے کی ضرورت بھی نہیں تاہم الصراط السوی کے شروع میں آیت شہداء کے تحت تفصیل سے بحث درج ہے کہ جسم عنصری کی زندگی کیسے ثابت ہے؟ دیکھ کر اپنے ضد کا علاج فرمائیں۔ کہتے ہیں آپ کو پتہ چل گیا کہ روح و جسم دونوں زندہ ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا جواب کیوں نہیں دیا؟ (دوم ص ۶۴)

<u>جواب</u>: چونکہ وہاں اصل زندگی روح کی ہے اس لئے روح کی زندگی کی کیفیت بیان فرمائی جسم کی زندگی بالتبع اور خود بخود سمجھ میں آنے والی ہے اس کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ وہ آیت سے خود ظاہر ہو رہی تھی۔

<u>یا للعجب</u>: آیت شہداء کی تفسیر میں مولوی صاحب نے شہداء کے سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونے کی روایات ذکر کیں، تشریح الصراط السوی میں کر دی گئی ہے یہاں یہ قابل تعجب بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ حضرت جن راویوں پر جرح کرتے ہیں مطلب کے وقت انہی کی روایات پیش کرتے ہیں: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بحوالہ مسلم اور ابن ماجہ ذکر کی کہ آیت کی تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ ان کی روحیں سبز پرندوں میں سوار ہو کر جنت کی سیر کرتی اور وہاں کے درختوں کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے نیچے لٹکی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ (اعلان حق ص ۶۱)

حالانکہ مسلم (ج ۲ ص ۱۳۵) اور ابن ماجہ (ص ۲۰۱) میں اس کی سند میں اعمش عن عبداللہ بن مرۃ ہے اور اعمش کے متعلق یہ صاحب اعلان حق (طبع اول ص ۳۸) میں لکھتے ہیں: ''اعمش مدلس اور شیعہ ہے، حافظ ابن حجر نے اعمش کو تدلیس التسویہ کا مرتکب بتایا جو کہ بدترین تدلیس ہے، مدلس راوی کی روایت قبول نہیں ہوتی۔

تو جب مرکزی راوی اعمش ہے اور وہ شیعہ بھی ہے مدلس بھی ہے اور روایت بھی عن سے کر رہا ہے اور ہے بھی تدلیس التسویہ کا مرتکب اور مدلس کی روایت قبول بھی نہیں ہوتی تو جناب نے قبول فرمانے کی تکلیف کیوں فرمائی ہے؟

تیسری دلیل: (۳) آیت: ''والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شئیا و ھم یخلقون اموات غیر احیاء الایۃ'' حق یہ ہے کہ درحقیقت یہ آیت بتوں سے متعلق قطعی الدلالت ہے۔ (اور بتوں کے علاوہ سے متعلق قطعی الدلالت ہرگز نہیں صرف ظنی الدلالت اور احتمالی ہے جو عقیدہ کے باب میں حجت نہیں) کیونکہ نزول قرآن کے وقت جو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ بت پرست لوگ تھے اور یدعون کی ضمیر انہی کی طرف راجع ہے، علامہ سلیمان الجمل رحمۃ اللہ علیہ (حاشیہ الجمل ج ۴ ص ۲۱۴) میں اور مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (معارف القرآن ج ۸ ص ۵۱۶) میں اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (تفسیر ج ۲ ص ۵۶۵ میں) اور مولانا ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (تفسیر ج ۲ ص ۲۳۲ میں) وغیرہم اصنام یعنی بت مراد لیتے ہیں۔

اور جن حضرات نے اس کو عام ٹھہرایا ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ذوی العقول معبودین قبروں میں مردہ ہیں بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ ان پر بھی موت آئی ہے یا آئے گی تو وہ معبود بننے کے لائق نہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہیں۔

''وہ (معبودین) مردے بے جان ہیں (خواہ دواماً جیسے بت یا فی الحال جیسے جو مر چکے یا فی المآل جو مریں گے مثلاً فرشتے اور جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم) زندہ (رہنے والے) نہیں۔ (بیان القرآن ج ۶ ص ۳۹)

اس تفسیر سے واضح ہے کہ بتوں کے علاوہ سے متعلق غیر احیاء کا معنی بے روح بے جان نہیں بلکہ معنی ہے: ''زندہ رہنے والے نہیں۔'' یعنی ایک دن مرنے والے ہیں یا یا ایک دن ان پر موت آ چکی ہے اور جب بت مراد لیں گے تو معنی بے جان اور بے روح ہوگا کہ بت تو اب بھی مردہ ہیں اور پہلے بھی مردہ تھے اور جو بزرگ اب تک زندہ ہیں جیسے فرشتے اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ وہ فی المآل مردہ ہوں گے یعنی مریں گے، ان پر موت آئے گی اور جو بزرگ وفات پا چکے ہیں وہ فی الحال مردہ ہیں۔ یعنی دنیا کے اعتبار سے مردوں کی فہرست میں ہیں۔ باقی ایسے مردہ ہوں کہ ان کی روحوں کا جسموں سے بالکل تعلق نہیں۔ اس کے قائل نہ حضرت تھانوی ہیں نہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور نہ مفتی محمد شفیع وغیرہم رحمہم اللہ، ان عبارات میں اس بات کا کچھ ذکر نہیں اور اپنی طرف سے گھسیڑ کر ان حضرات کے ذمہ لگا دینا یہود کے کرتوتوں میں سے ہے اور اگر غیر احیاء کا ترجمہ کسی معتبر مفسر نے بھی یہ کیا ہے کہ جن میں جان یعنی روح نہیں ہے تو ان کی مراد بت ہیں کیونکہ بت ہی وہ ہیں جن میں بالکل جان نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ''وجوز ان یکون المراد من المخبر عنہ بما ذکر ما یتناول جمیع معبوداتھم من ذوی العقول وغیرھم فیرتکب فی اموات عموم المجاز لیشمل ما کان لہ حیاۃ ثم مات کعزیر او سیموت کعیسی والملائکۃ علیھم الصلاۃ و السلام ومالیس من شانہ الحیاۃ اصلا کالاصنام'' (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۲۰) اور یہ بھی جائز ٹھہرایا گیا ہے کہ مذکورہ خبر کے مخبر عنہ (اموات غیر احیاء) کی مراد ایسی ہو جو تمام معبودین ذوی العقول ہوں یا غیر سب کو عام ہو تو اس صورت میں لفظ اموات میں عموم مجاز لیں گے تا کہ اس کو بھی شامل ہو جس میں حیات تھی پھر فوت ہو جیسے عزیر علیہ السلام یا آئندہ فوت ہو جیسے حضرت عیسیٰ اور فرشتے علیہم السلام اور اس کو بھی شامل ہو جس کی شان سے سرے سے زندگی ہے ہی نہیں جیسے بت۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ آیت میں ذوی العقول معبودین داخل کرنا احتمالی بات ہے یعنی آیت بتوں کے

حق میں حقیقت ہے، ان کے علاوہ ذوی العقول کے حق میں مجاز ہے حقیقت نہیں، تو جناب عقیدہ کے باب میں ظنی الدلالہ اور آیت محتملہ سے حجت لے رہے ہیں، کیا دلیل قطعی اور آیات غیر محتملہ پیش کرنے کی شرط صرف ہمارے لئے ہے؟

مولانا آلوسی ﷫ مزید فرماتے ہیں: ”ومعنی کونهم امواتا انهم لابد لهم من الموت وکونهم غیر احیاء غیر حیاة تامة حیاتهم والحیاة التامة هی الحیاة الذاتیة التي لا یرد علیها الموت“ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۲۰) یعنی ان کے اموات ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے موت لازمی ہے اور غیر احیاء سے مراد یہ ہے کہ حیات تامہ والے نہیں ہیں اور حیات تامہ وہ ذاتی حیات ہے جس پر موت وارد نہیں ہوتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں ذوی العقول معبودین کے لئے صرف موت آنے کا اور ہمیشہ کی ذاتی زندگی نہ ہونے کا ذکر ہے، موت کے بعد کیا حال ہوگا زندگی ملے گی یا نہ، ذوی العقول معبودین کی روحوں کے ساتھ ساتھ اجسام عنصریہ کی زندگی ہوگی یا نہ؟ اس کا کچھ ذکر نہیں اور ذکر نہ ہونے کا معنی نہ ہونا تو نہیں ہے۔ (ورنہ برزخی زندگی کی بھی نفی مانیں) نیز یہ کہ معبودین کے لئے غیر احیاء سے صرف حیات تامہ یعنی حیات ذاتی کی نفی ہے مطلق حیات کی نفی نہیں ہے، ورنہ جو معبود آیت کا مصداق بنے وہ مصداق بنتے وقت بھی میت ہو زندہ نہ ہو، تو مولوی صاحب مرزائیوں کی طرح یہ مان لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں کیونکہ ان کو بھی اموات غیر احیاء میں داخل کیا گیا ہے۔

الحاصل! اس سے زیادہ سے زیادہ صرف موت آنا ثابت ہوتا ہے اور یہ محل نزاع نہیں، محل نزاع تو روح کا جسم عنصری سے تعلق ہونا نہ ہونا اور قبر کی زندگی ہے اور جناب کا دعوی روح مبارکہ کے اعلی علیین میں ہونے کا ہے اور اسی دعوی کے ثبوت میں یہ آیت لکھ رہے ہیں تو آیت کے کون سے لفظ کا ترجمہ ہے کہ روح اعلی علیین میں ہے اور جسم مردہ ہے؟

فائدہ: اس آیت اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ فی المآل وفات پانے کی خبر دینے کے لئے زندہ پر بھی میت کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو انک میت میں میت اور آپ کے دور میں موجود لوگوں کو ان کی زندگی میں انهم میتون میں میت فرمایا گیا جس کا معنی وفات پانے والے ہے، خود مولوی صاحب نے آیت ثم انکم بعد ذالك لمیتون میں میتون کا ترجمہ کیا ”مرنے والے“ (طبع دوم ص ۶۵) جس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم الفاظ میں محض وفات پانے کا ذکر ہوتا ہے، جسم عنصری کا بالکل مردہ ہونا یا روح کا جسم سے تعلق نہ ہونا وغیرہ کچھ ثابت نہیں ہوتا، اس لئے کسی نص میں یا علماء کی عبارت میں نبی وغیرہ کسی کے لئے محض میت کا اطلاق ہونے سے وفات کے بعد جسم عنصری مردہ ہونے کا ثبوت نہیں ہوسکتا جب تک جسم عنصری کا صریح مردہ بے جان ہونا اور روح کا تعلق نہ ہونا ذکر نہ ہو۔

چوتھی دلیل: (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیت ہے و السلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا سلام پہنچے جس دن پیدا ہوا اور جس دن انتقال کروں گا اور جس روز میں قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ (ترجمہ حضرت تھانوی)

پانچویں دلیل: (۵) حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے سلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا اور سلام پہنچے جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، ترجمہ از حضرت تھانوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر کے مطابق حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہ السلام فوت ہونے کے بعد قیامت کے دن زندہ ہوں گے، اس سے پہلے نہیں، کیا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن نہیں سمجھا انہوں نے احادیث نہیں پڑھی تھیں جو تم نے پڑھ لی ہیں؟ (اعلان حق ص ۲۵)

مولوی صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے آیت کا ترجمہ نقل کر کے مفہوم مخالف کی ڈنڈی مار کر دھوکہ دینا چاہا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف یوم بعث کے یوم کی تعیین کرنا چاہی ہے کہ یہ جو فرمایا کہ جس دن اٹھایا جاؤں گا زندہ ہو کر اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اس سے زیادہ حضرت تھانوی کچھ نہیں فرمانا چاہتے، یہ مولوی صاحب کی اپنی تشریح اور اپنا بیان کردہ مفہوم مخالف ہے کہ قیامت سے پہلے بالکل زندہ نہ ہوں گے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نہیں، مولوی صاحب کو خوب یاد رکھنا چاہئے کہ مفہوم مخالف شوافع کے ہاں بھی منطوق صریح کے مقابلہ میں ذرا بھر حجت نہیں تو یہاں مفہوم مخالف کی ڈنڈی کیوں مارتے ہو کہ قیامت میں زندہ ہوں گے یعنی اس سے پہلے کوئی زندگی نہیں بلکہ مردہ ہوں گے؟

بالفرض مانا کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں ان کو زندگی حاصل نہ ہوگی تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ برزخ کی زندگی بھی حاصل نہ ہوگی (قیامت سے پہلے کی جس قسم کی زندگی بھی ہو اس کی نفی ہوگی) تو جناب جس برزخی زندگی کے قائل ہیں جناب کی تقریر کے مطابق اس کی بھی نفی ہے کہ وہ زندگی بھی نہیں ہے، تو جو جواب جناب دیں گے وہی جواب ہم دیں گے۔

بات تو یہ ہے کہ آیت میں دنیا والی زندگی کا ذکر یوم ولدت میں اور قیامت کے دن کی زندگی کا ذکر یوم البعث میں ہوا لیکن قبر کی زندگی کا صرف ذکر نہیں ہوا نفی تو نہیں ہے، جیسے وضو کی آیت میں وضو کے چار فرضوں کا ذکر ہوا سنتوں اور مستحبات کا ذکر نہیں ہوا نفی تو نہیں ہے، اپنی طرف سے خود نفی گھسیڑ کر منکرین حدیث کے رویہ کو اپناتے ہیں اور سوچتے بھی نہیں کہ جناب کس ڈگر پر چل رہے ہیں؟

نیز یہاں کامل زندگیوں کا ذکر ہوا ناقص زندگی کا ذکر چھوڑ دیا گیا اور کامل زندگیاں دو ہیں دنیا کی اور آخرت کی، قبر کی زندگی دنیا اور آخرت کی زندگی کی بہ نسبت ناقص ہے اس لئے ذکر نہیں ہوئی، یا بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ قبر کی زندگی الگ زندگی نہیں یا دنیا کی زندگی کا تکملہ یا آخرت کی زندگی کا مقدمہ ہے اس لئے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۷۳) مولوی صاحب کو یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات کے بعد روضہ مبارکہ میں دفن ہوں گے جو جنت کے باغوں میں سے ہے کیا جنت کے باغوں میں مردہ رہا کریں گے؟ اور یہ بھی سوچنا چاہئے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے ہیں تو دوسرے شہید ہوں تو انہیں قیامت سے پہلے قبر کی زندگی مل جائے اور نبی شہید ہو تو وہ اس زندگی سے محروم رہتا ہے؟

شاید یہ کہہ دیں کہ بعض تفسیروں میں صاف آیا ہے وفی القبر میتا اور قبر میں مردہ ہو کر (اس پر سلامتی ہوگی) جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قبر میں کوئی زندگی ان کو حاصل نہ ہوگی اگر قبر میں زندگی نہیں تو قبر میں رہنے والے یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام پر سلامتی کا نزول کس چیز پر ہوگا؟ آخر سلامتی ایک ایسی چیز ہے جو قائم بالذات نہیں قائم بالغیر ہے تو وہ غیر کیا ہے جس پر قبر میں سلامتی ہوگی؟ نیز آپ لوگ جب قبر سے برزخ مراد لیتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہ السلام قبر یعنی برزخ میں مردہ ہوں گے، تو جناب والا ان کی برزخی زندگی کا بھی انکار کریں، بہرحال میتاً کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات پا کر قبر میں پہنچنے پر بھی سلامتی ہوگی یعنی راحت قبر و راحت برزخ حاصل ہوگی عذاب قبر و قبر کے امتحان سے محفوظ ہوں گے۔

پھر مولوی صاحب کا دعوی نبی کی روح کے اعلیٰ علیین میں ہونے کا ہے وہ آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے جس سے استدلال کیا؟

چھٹی دلیل: (۶) مولوی صاحب نے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں اس آیت سے بھی استدلال کیا: "ثم انکم بعد ذالک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون" پھر اس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو، پھر تم قیامت کے دن زندہ کئے جاؤ گے۔

مطلب یہ نکالا کہ یعنی قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہوگے، کہتے ہیں: "یہ (بزرگ) تو فرما رہے ہیں کہ سب نے قیامت کے دن زندہ ہونا ہے اور تم نے مردوں کو قیامت سے پہلے زندہ کرنا کیوں شروع کر دیا ہے؟" (اعلان حق دوم ص ۶۵)

جواب: بے شک آیت کا ترجمہ یہی ہے اور ان بزرگوں نے یہی ترجمہ کیا کہ قیامت کے دن سب نے زندہ ہونا ہے، مگر یہ تو نہیں فرمایا کہ قیامت سے پہلے (قیامت کے دن جیسی زندگی نہ سہی) کچھ بھی زندگی نہیں، یہ جناب نے مفہوم مخالف استعمال کیا ہے، اسی طرح کی آیت سورہ بقرہ میں ہے: "فاحیا کم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون" اس کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے روز ہونے والی ہے۔ (جیسے مولوی صاحب کی پیش کردہ آیت میں یہی بات ہے) قبر کی زندگی کا ذکر نہیں۔ (نہ یہ کہ نفی ہے جیسے مولوی صاحب کا مفہوم مخالف بتاتا ہے) وجہ یہ ہے کہ برزخی زندگی اس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی بلکہ ایک درمیانی صورت مثل خواب کی زندگی کے ہے اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی اس لئے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۷۳)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ مولوی صاحب کی مستدل آیت کے تحت لکھتے ہیں: "ولم یذکر سبحانہ طور الحیات في القبر لانہ من جنس الاعادۃ" (روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۷) اللہ تعالیٰ نے قبر کی زندگی کا مرحلہ ذکر نہیں فرمایا (نہ یہ کہ اس کی نفی کی ہے) اس لئے کہ قبر کی زندگی اعادہ کی جنس سے ہے۔"

یعنی گویا وہی دنیا والی زندگی مل گئی یا یہ مطلب ہے کہ مستقل زندگی نہیں صرف روح کے اعادہ یعنی تعلق والی زندگی ہے، اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا اور مولوی صاحب کی یہ بات اللہ تعالیٰ پر اور بزرگوں پر غلط بیانی ہے، کہ قیامت سے پہلے (قبر) کی زندگی کی نفی کر دی۔

یہ تو آیات قرآنی تھیں جن سے مولوی صاحب نے نبی کریم ﷺ کی روح کے اعلیٰ علیین میں ہونے اور صرف روحانی زندگی ہونے اور جسم عنصری میں زندگی نہ ہونے کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی حالانکہ ان آیات سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ قارئین نے دیکھ لیا، اس کے بعد احادیث سے دلائل پیش کئے۔

ساتویں دلیل: (۷) مولوی صاحب لکھتے ہیں "حضرت عائشہ فرماتی ہیں "توفي النبي ﷺ في بيتي بين سحري ونحري فرفع رأسه وقال اللهم الرفيق الاعلى وفي رواية ثم قبض وفي رواية فجعل يقول في الرفيق الأعلى حتى قبض" (بخاری باب مرض النبی ﷺ و وفاتہ مشکوۃ، حیات الاموات مولانا نور الحسن بخاری ص ۱۱۲)

(اعلان حق ص ۴۶،۴۵)

خلاصہ مطلب مولوی صاحب کا یہ ہے کہ آپ کا رفیق اعلیٰ مانگتے تھے اور رفیق اعلیٰ سے انبیاء شہداء صدیقین اولیاء علیہم السلام کی جماعت مراد ہے اور سندھی حاشیہ بخاری کے مطابق انبیاء وغیرہم اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں تو نبی کریم ﷺ بھی اعلیٰ علیین میں ہیں۔

جواب: بے شک آپ ﷺ نے رفیق اعلیٰ کی دعا فرمائی اور بے شک قبول ہوئی اور واقعی رفیق اعلیٰ سے

انبیاء علیہم السلام کی جماعت مراد ہونا حدیث سے ثابت ہے، مگر حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس جہان کو اختیار کیا جہاں انبیاء اولیاء وغیرہم حضرات سے ملاقات ہو اور وفات کے بعد اموات کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے جیسے حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میرے گھرانے میں سے سب سے پہلے تو مجھے آ کر ملے گی۔ (مشکوۃ، باب وفاۃ النبی ﷺ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے وقت فرماتے تھے: ''غدا نلقی الاحبۃ محمداً وحزبہ'' کل ہماری ملاقات نبی کریم ﷺ اور آپ کی جماعت سے ہوگی۔''

اور حضور ﷺ نے محاصرہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خواب میں فرمایا کہ کل جمعہ کا روزہ ہمارے پاس آ کر افطار کرنا ہے۔ (الریاض النضرۃ) وغیرہ!

تو وفات کے بعد روحوں کی ملاقات ہوسکتی ہے، مگر حدیث کے کن الفاظ کا معنی ہے کہ روح مبارکہ اعلیٰ علیین میں ہے؟ اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی بات تو خبر واحد جتنا درجہ بھی نہیں رکھتی چہ جائے کہ اس کی تشریح کو لے کر آپ حضور ﷺ کی روح مبارکہ کا اعلیٰ علیین میں ہوتا اور وہاں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا ثابت کریں، سوچ کر بات کرنا کہ عقیدہ کے باب میں (آپ کے نزدیک بھی) دلیل قطعی قرآن وحدیث سے ہونی چاہئے اس باب میں اقوال حجت نہیں ہیں کیونکہ یہ غیب کی بات ہے۔ (اعلان حق ص ۲۵) نہ خبر واحد کارآمد ہے؟

پھر نزاع تو اس میں ہے کہ روح مبارکہ کا جسم اطہر سے تعلق ہے یا نہ جس سے جسم عنصری کی حیات حاصل ہو؟ اس حدیث میں اس کا ذکر کس لفظ میں ہے؟ مفہوم مخالف ہرگز حجت نہیں ہے اس کا سہارا چھوڑ دیجئے۔

اور مولوی صاحب کی دیانت داری ہے کہ مولانا نور الحسن کی حیات الاموات سے ثبوت دیتے ہیں مگر ان کی وہ بات جو مطلب کی نہ ہو اس کو چھپاتے جاتے ہیں، حالانکہ اسی بحث کو کئی صفحات میں ذکر کرنے کے بعد نتیجہ نکال کر اس نتیجہ کے ذکر کے بعد مولانا نور الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اب آپ ﷺ کے روح پاک کا مقصد و ماوی جنت الفردوس ہے آپ ﷺ کے رہنے کی جگہ آپ ﷺ کا مقام سکونت جنت الفردوس ہے، بایں ہمہ قبر شریف میں آپ ﷺ کی جسمانی زندگی کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تمام اہل حق اور جمیع ائمہ دین مزار پر انوار میں حیات النبی ﷺ کے قائل ومثبت ہیں تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ ہو (وہی اگلا باب تو مولوی صاحب کے لئے زہر قاتل تھا)

(حیات الاموات ص ۱۱۶ و ۱۲۰)

ظاہر ہے کہ مزار پر انوار میں آپ ﷺ کا جسم اطہر عنصری ہے جس کی حیات کو مولانا نور الحسن سب اہل حق کا عقیدہ کہہ رہے ہیں کیا وہ اہل حق ان احادیث کو نہیں سمجھتے تھے؟ اور ظاہر ہے کہ جب وہ عقیدہ اہل حق کا ہے، تو جو اس عقیدہ پر نہ ہو وہ اہل باطل سے ہے۔

آٹھویں دلیل: (۸) لکھتے ہیں وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''یا ابتاہ من اجاب ربا دعاہ، یا ابتاہ من جنت الفردوس ماواہ'' اے میرے ابا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بلا لیا آپ ﷺ نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا اور اے میرے ابا اب جنت الفردوس آپ ﷺ کا ٹھکانہ ہے۔ (اعلان حق ص ۴۶)

جواب: اولاً! جب عقیدہ کے باب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد ﷺ کا وہ فرمان جو خبر واحد کے طور پر مروی ہو حجت نہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنا قول جو وہ بھی خبر واحد ہے کیسے حجت ہے کیا وہ دلیل قطعی ہے؟ اپنا بیان کردہ اصول کیوں بھول جاتے ہیں؟ کیا وہ ہمارے لئے رکھا ہے؟

ثانیاً اس قول میں آپ ﷺ کی ذات اطہر کا جنت میں ہونا ذکر ہے، آپ کا دعوی روح مبارکہ کے علیین میں ہونے کا ہے تو کیا جنت وعلیین ایک ہے نص قطعی الثبوت والدلالہ پیش کرو؟ نیز اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ روح مبارک جنت الفردوس میں ہے، مگر کیا جسم عنصری بالکل مردہ ہے یا روح کا تعلق ہونے سے برزخی حیات سے زندہ ہے؟ اس کا ذکر نہ نفی میں ہے نہ اثبات میں، ہم کہتے ہیں جیسے روح مبارک جنت میں ہے جسم اطہر بھی جنت سے اعلی مقام قبر اطہر والی جنت میں ہے جو علماء دیوبند اور علماء اہل سنت کے نزدیک زمینی آسمانی سب خطوں سے افضل خطہ ہے (راہ حق میں کافی حوالے درج ہیں ملاحظہ کریں) آپ صرف روح کو جنت میں کیوں مانتے ہیں اور قبر اطہر کو جنت کا باغ اور جنت سے اعلیٰ کیوں نہیں مانتے نیز اس حدیث میں جسم اطہر کا مردہ ہونا اور اس سے روح کا تعلق نہ ہونا کون سے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے؟ صریح لفظ بتایئے اور مفہوم مخالف نہ پیش کریں اُس کی حیثیت تو معتبر عالم ومفسر کے قول جتنی بھی نہیں ہے؟

بس مولوی صاحب کے پاس آپ ﷺ کی روح مبارکہ کے اعلی علیین میں ہونے کی یہی دلیلیں ہیں۔ خود مولوی صاحب اور قارئین انصاف کریں گے کہ ان میں سے کونسی دلیل قطعی الدلالہ اور کونسی حدیث متواتر ہے؟ دوبارہ غور فرمائیں کہ ان میں سے کسی آیت اور حدیث میں روح مبارک کا علیین میں ہونا ذکر نہیں ہاں جنت میں ہونا ذکر ہے، جس کے ہم منکر نہیں ہیں، نیز صرف اور صرف روح کا زندہ ہونا اور جسم کا مردہ ہونا کسی آیت یا حدیث میں ذکر نہیں ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے حضرات علماء کے کچھ اقوال بیان کئے جن سے روح مبارکہ کا اعلی اعلیین میں ہونا ثابت کرتے ہیں حالانکہ علماء کے اقوال عالم غیب سے متعلق حجت بھی نہیں، جب علماء کے اقوال حجت نہیں تو وہ سب اقوال ذرا بھی دلیل اور ثبوت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ان کے جواب کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی مگر ہم ان کا جواب دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں تا کہ ان سے دھوکہ نہ کھایا جاسکے، قارئین کو صاف نظر آئے گا کہ علماء کی عبارات میں مولوی صاحب نے کافی خیانت اور تحریف کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ بے نمازی کو "لا تقربوا الصلوۃ" سے کام ہے "وانتم سکری" کی ضرورت نہیں ہے یہی کام مولوی صاحب کا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی روح مبارکہ کا مقام اور اقوال علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ

علامہ نسفی اور علامہ آلوسی اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: (۱) کہتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کی روحیں بدنوں سے نکل کر مشک اور کافور کے مماثل جسموں کی طرح ہو کر جنت میں ہوتی ہیں کھاتی پیتی ہیں، (شرح الصدور، بشری الکئیب ص ۱۳۴، روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲ وغیرہ۔ خضر حیات بھکروی نے بھی اتنی نقل کی، اکابر کا باغی کون؟ ص ۱۸۲)

یہ قول علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کا بحوالہ بحر العلوم ہے، اولاً تو افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے یہاں بھی خیانت کا ارتکاب کیا ہے، چنانچہ اسی عبارت میں ساری بحث کرتے ہوئے علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کفار تک سے متعلق فرما رہے ہیں: "وهي متصلة باجسادها" اور یہ روحیں اپنے اجسام عنصریہ کے ساتھ بھی متعلق رہتی ہیں۔"

(شرح الصدور ص ۲۱۴ روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۲)

اور یہ عبارت مولوی صاحب کے نظریہ کی بیخ کنی کرتی ہے اس لئے نقل نہ کرنا مصلحت سمجھا۔

ثانیاً: روحوں کے جنت میں اس کیفیت کے ساتھ ہونے کا ذکر کونسی حدیث متواتر میں آیا ہے بلکہ کوئی ضعیف حدیث ہی اس مضمون کی پیش کر دیں علامہ نسفی کا قول خبر تواتر کیا ضعیف حدیث جتنا درجہ بھی نہیں رکھتا؟

ثالثاً: علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ مختلف اقوال اور بحث ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ثم اعلم ان اتصال الروح

بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه وان تفرقت وكان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب" (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۴۳) پھر (روحوں کا اجسام عنصریہ سے تعلق ہوتا ہے اور) تمہیں جان لینا چاہئے کہ روح کا بدن سے ایسا تعلق نہیں کہ ایک جزء سے خاص ہو دوسرے جزء سے نہ ہو بلکہ روح تو جسم کے سب اجزاء کے ساتھ متصل اور پرتو رکھنے والی ہوتی ہے اگر چہ اجزاء ایسے منتشر ہوں کہ ایک جزء مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہو۔"

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هذا مع القطع بان روحه في اعلى عليين مع ارواح الانبياء وهو في الرفيق الأعلى فثبت بهذا انه لا منافاة بين كون الروح في عليين او في الجنة او في السماء وان لها بالبدن اتصالاً بحيث تدرك وتسمع وتصلي وتقرأ" (شرح الصدور ۲۰۷، بھکروی نے صرف الرفیق الاعلیٰ تک نقل کی ہے، اکابر کا باغی کون؟ ص ۱۸۲) یہ بات ثابت ہونے کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارکہ انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہے اور رفیق اعلیٰ میں بھی ہے اس سے ثابت ہوا کہ روح کے علیین یا جنت یا آسمان میں ہونے کے درمیان کوئی تضاد نہیں اور روح مبارکہ کا جسم اطہر سے ایسا تعلق بھی ہے جس سے آپ ﷺ ادراک رکھتے اور سنتے ہیں اور نماز پڑھتے اور قرآن پڑھتے ہیں۔

اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "و بعد وفاته استقرت في الرفيق الأعلى مع ارواح الانبياء عليهم الصلوة والسلام ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه" (زاد المعاد جلد ا جزء ۲ ص ۴۲۷) وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں ہے مگر اس کے ساتھ جسم اطہر پر پرتو اور عکس اور اس طرح کا تعلق ہے کہ سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اسی تعلق کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا جب کہ ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔

<u>علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب</u>: (۲) لکھتے ہیں۔ "حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی ارواح جنت میں ہیں۔"

<u>جواب</u>: مولوی صاحب کے یہ حوالے (اور ایسے ہی باقی حوالے بھی) بے نمازی کی دلیل لا تقربوا الصلوة جیسے ہیں، علامہ ابن رجب حنبلی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وارواحهم في اعلى عليين ولكن مع ذالك لها اتصال سريع في الجسد ولا يعلم كنه ذالك وكيفيته على الحقيقة الا الله عز و جل" (احوال القبور ص ۱۹۱) اور انبیاء علیہم السلام کی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں لیکن ان کا جسم عنصری میں تیز تر تعلق ہے جس کی حقیقت اور واقعی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ابھی اوپر عبارت میں آچکا ہے اور ان کی کتاب الروح اس بارے میں مماتیوں کے لئے سیف قاطع ہے اس لئے مولوی صاحب نے اس کے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہونے کا ہی انکار کر دیا (الصراط السوی میں اس کا ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہونا ثابت کیا گیا ہے)

<u>حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ</u>: فتح العزیز ص ۹۹ میں فرماتے ہیں مقام علیین سات آسمانوں کے اوپر ہے اور عرش کے نیچے، نیک بندوں کی ارواح وہاں جاتی ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام وہاں رہتے ہیں۔ (اعلان حق دوم ص ۶۸)

<u>جواب</u>: جناب والا! خیانت کر کے آپ کون سا ثواب کماتے ہیں؟ اسی جگہ پر (فارسی) تفسیر عزیزی میں

آگے ذکر ہے: ''وتعلقے بقبر نیز ایں ارواح رامیباشد کہ بحضور زیارت کنندگان واقارب ودیگران برقبر مطلع ومستانس می گردد'' (تفسیر پ عم ص ۱۲۳) اوران روحوں کا قبر سے بھی تعلق ہوتا ہے، کہ زیارت کرنے والوں واور رشتہ داروں اور دوسروں کے قبر پر حاضر ہونے پر مردے مطلع ہوتے اور مانوس ہوتے ہیں۔''

جناب! مانیں تو پوری بات مانیں یہ کیا کہ علیین کے مقام اور وہاں روحیں رہنے کی ان کی بات درست ہے مگر جسم عنصری سے تعلق کی بات اور آنے والوں کو جان لینے اور ان سے مانوس ہونے کی بات غلط ہے؟ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض ؟

<u>حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی عشیلیہ کا حوالہ</u>: مولوی صاحب قاضی صاحب سے نقل کرتے ہیں ''فرماتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی ارواح اعلی علیین میں رہتی ہیں۔'' (اعلان حق دوم ص ۶۸)

<u>جواب</u>: یہ بھی فرماتے ہیں: ''ان مقرارواح المؤمنین فی علیین اوفی السماء السابعة ونحو ذالک کمامر ومقرارواح الکفار فی سجین ومع ذالک لکل روح منہا اتصال بجسدہ فی قبرہ لایذرک کنہہ الا اللہ تعالی وبذالک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنة او النار ویحس اللذة اوالالم یسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر ونحو ذالک مماثبت بالکتاب والسنة قال الشعبی فی بحرالکلام ھی متصلة باجسادھا فتعذب الارواح ویتألم الاجساد منہا کالشمس فی السماء ونورھا فی الارض۔'' (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۵) بے شک مؤمنین کی روحیں علیین یا ساتویں آسمان وغیرہ پر اور کفار کی سجین میں رہتی ہیں، مگر اس کے ساتھ ہر روح کا قبر میں اس کے جسم کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت صرف اللہ جانتا ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے جنت یا دوزخ کا ٹھکانہ روح وجسم کے مجموعہ انسان پر پیش ہوسکتا ہے اور لذت یا تکلیف محسوس کرتا ہے، زیارت کرنے والے کا سلام سنتا ہے، مگر نکیر کو جواب دیتا ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ کتاب وسنت سے ثابت ہے، امام شعبی بحر الکلام میں فرماتے ہیں روحیں اپنے جسموں سے تعلق رکھتی ہیں تو روحوں کو عذاب ہوتا ہے جس سے جسم بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں جیسے سورج آسمان میں ہے اور اس کی روشنی زمین میں ہے۔

اور فرماتے ہیں: ''ارواح ایشاں در زمین وآسمان وبہشت ہرجا کہ خواہند میروند ودوستان ومعتقدان را در دنیا وآخرت مددگارے میفرمایند ودشمنان راہلاک مینمایند'' (تذکرۃ الموتی والقبور ص ۳۰) انبیاء علیہم السلام کی روحیں زمین، آسمان، بہشت جہاں چاہیں جاتی ہیں اور دوستوں کی دنیا وآخرت کے معاملوں میں مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔

ان کی کتاب ''تذکرۃ الموتی والقبور'' ہے مولوی صاحب کو اس کا خوب مطالعہ کرنا چاہئے مگر یہ تیر نہ چلائیں کہ وہ ان کی کتاب ہی نہیں، ثابت کا انکار عاجزی کی دلیل ہے، حضرت قاضی صاحب عشیلیہ نے اس کتاب (کے ص ۲۴ طبع مطبع سلطان لاہور ۱۲۹۲ھ) میں مستقل باب قائم کیا ہے ''باب در بیان آنکہ انبیاء واولیاء در قبور خود بنماز وذکر خدا مشغول ومتلذذ باشند'' باب اس بیان میں کہ انبیاء کرام اور اولیاء عشیلیہ اپنی قبروں میں نماز اور ذکر خداوندی میں مشغول ہوتے اور لذت حاصل کرتے ہیں اور اس کتاب میں انبیاء اور عام مردوں کی قبروں کے پاس سلام سننے اور جواب دینے کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا ہے: ''لیکن البتہ علاقہ باقی میماند کہ ازاں ادراک راحت ورنج کند (ص ۲۹) کہ ہر روح کا جسم عنصری سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ راحت اور تکلیف محسوس کر سکے۔''

تو وہ انبیاء واولیاء علیہم السلام کی زمینی قبروں کی زندگی کے قائل ہیں اور عندالقبر سلام سننے کے قائل ہیں جب کہ مولوی صاحب اس سب کے منکر ہیں؟

یہاں بھی جناب ساری بات مانو یہ کیا کہ ''میٹھا ہپ ہپ کڑوا تھوتھو۔''

مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ: (فرماتے ہیں) سب ہی کو روحانی حیات حاصل رہتی ہے کیونکہ مدار ثواب وعقاب کا حیات روحانی پر ہے۔ جو مسلم ہے پھر اسی حیات روحانی میں درجات ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے، اس کے بعد شہداء کی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۲۷، اعلان حق دوم ص ۶۸)

جواب: چونکہ اس حیات میں روح اصل ہے اس لئے اس کو حیات روحانی فرمایا مگر یہ مطلب نہیں کہ جسم عنصری میں کوئی حیات نہیں ہے کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں، قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصل اس کا علیین یا سجین ہے۔ (فتاوی دارالعلوم ج ۵ ص ۴۲۶، ۴۲۷)

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: (۳) کہتے ہیں مفتی کفایت اللہ کا حوالہ گزر چکا ہے کہ وہ دنیوی حیات کے قائل نہیں۔

جواب: جناب والا! آپ اپنا دیا ہوا عنوان بھول گئے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کونسی عبارت میں ہے کہ روح مبارکہ اعلی علیین یا جنت میں ہے اور جسم سے کوئی تعلق نہیں ہے؟

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہرگز مماتی نہیں تھے وہ تو ہر مردے کے جسم عنصری سے روح کا تعلق مانتے ہیں چہ جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کے تعلق کے منکر ہو کر مماتیوں میں شامل ہوں، وہ فرماتے ہیں: ''ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ (مؤمن ہو تو) آرام یا (کافر ہو تو) تکلیف کو محسوس کر سکے۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۹۶ بحث سماع موتی)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: (۴) کہتے ہیں مفتی محمد شفیع صاحب (معارف القرآن ص ۷۹۳ ج ۱) میں فرماتے ہیں اس برزخی حیات کے درجات مختلف ہیں ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے اور کچھ مخصوص درجے انبیاء وصالحین کے لئے مخصوص ہیں پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء پھر شہداء پھر معمولی مردے،

جواب: یہ درست ہے کہ اس عبارت میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو برزخی کیا ہے اور یہی بات مولوی صاحب کا مستدل ہے مگر یہ بات ہرگز اختلافی نہیں، اختلاف تو روح کے جسم اطہر سے تعلق سے قبر میں حیات اور سماع عندالقبر میں ہے اور اسکے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے نقل فرماتے ہیں) یہ بات کچھ بعید نہیں کہ اصل مستقر ارواح کا علیین اور سجین ہی ہوں مگر ان ارواح کا ایک خاص رابطہ قبروں کے ساتھ بھی قائم ہو، اس رابطہ کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر جس طرح آفتاب ماہتاب آسمان میں ہیں اور ان کی شعاعیں زمین پر پڑ کر اس کو روشن بھی کر دیتی ہیں گرم بھی، اسی طرح علیین وسجین کی ارواح کا کوئی رابطہ معنویہ قبروں سے بھی ہو سکتا ہے، (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۹۸)

اور فرماتے ہیں: ''روضہ اقدس کے سامنے الفاظ خطاب کے ساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے کیونکہ وہاں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام سننا اور جواب دینا روایات حدیث سے ثابت ہے۔''

(جواہر الفقہ ج ۱ ص ۲۱۵ طبع ادارۃ المعارف کراچی)

اور پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گنہگار مسلمان حضور ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہو کر شفاعت اور استغفار کرنے کی درخواست کرے۔ (معارف القرآن آیت و لو انهم اذ ظلموا) جس کو مولوی صاحب شرک کہتے ہیں اور تسکین الصدور پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ بھی چشمہ لگا کر دیکھ لیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: (۵) کہتے ہیں "حضرت تھانوی (فرماتے ہیں) آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ ﷺ کو رزق ملتا ہے مگر یہ یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی (دنیوی یا دنیا کی سی) نہیں ہے وہ دوسرے قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں۔ (وعظ الظہور ص ۱۴۹ الخ، اعلان حق ص ۴۷)

جواب: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قبر شریف میں حیات کا فرما رہے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہے اور وہاں جسم عنصری ہے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جسم عنصری میں حیات کے قائل ہیں اور روح مبارکہ کے اتنے تعلق کے قائل ہیں جس سے قبر مبارک کے نزدیک پڑھے جانے والے درود و سلام کو سن کر آپ ﷺ جواب دیتے ہیں اور حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کو روضہ مبارکہ کے اندر سے سلام کا جواب دینا ذکر کر کے اس واقعہ سے قبر اطہر میں جسم عنصری کی زندگی اور سلام سننے اور جواب دینے کو مانتے ہیں، جیسا کہ گزشتہ مضمون میں باحوالہ ذکر ہوا (اشرف الجواب، حفظ الایمان) اور یہ سب مولوی صاحب کے لئے مان لینا زہر قاتل سے کم نہیں تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ جوڑنا ایسا ہے جیسے امام اہل سنت استاد مکرم مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہم نوا کہنا (جیسا کہ مماتیوں کی کئی کتابوں میں شرم کو بالائے طاق رکھ کر استاذ مکرم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالوں سے اپنی تائید لکھی گئی) اور ناسوتی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایسی حیات نہیں کہ روح جسم عنصری کے اندر داخل ہو۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: (۱) کہتے ہیں "حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) آپ ﷺ کی روح مبارک بعد از وفات دیگر انبیاء کے ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے۔"

(فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱، تسکین الصدور ۱۵۲ اعلان حق ص ۴۷)

جواب: یہاں بھی مولوی صاحب نے لا تقربوا الصلوة والا معاملہ کیا ہے کیونکہ اس کے بغیر مولوی صاحب کی گاڑی نہیں چلتی، پوری عبارت تو نقل کرتے تا کہ دیانتداروں کو سمجھ آجاتی، بھکروی نے بھی یہی خیانت کی ہے (اکابر کا باغی کون ص ۱۸۲) پوری عبارت یوں ہے: "واما بعد وفاته فروحه المقدسة قد استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء عليهم الصلاة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار حياته في قبره الشريف فان لروحه اشرافا على البدن وتعلق به وبدنه في ضريحه غير مفقود واذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام كما ورد في الحديث الخ" (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱ بحوالہ تسکین الصدور ۲۸۹) وفات کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک دیگر انبیاء علیہم السلام کے ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے اور اس سے (مماتی وہمیوں کی طرح) یہ وہم نہ کیا جائے کہ قبر شریف میں آپ ﷺ کی حیات کا اس سے انکار لازم آتا ہے کیونکہ آپ کی روح مبارک کا بدن مبارک پر عکس پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ تعلق ہے اور آپ ﷺ کا بدن مبارک قبر شریف میں موجود رہتا ہے اور جب بھی کوئی سلام کہنے والا آپ ﷺ سے سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح مبارک (کی توجہ) کو آپ ﷺ پر لوٹا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

مولوی صاحب میں خوف خدا نام کی کوئی چیز ہوتی تو خیانت کا ایسا گناہ نہ کرتے جو اگر توبہ نہ کیا اور اپنی

تحریر سے صاف نہ کیا تو ان کے مرنے کے بعد بھی ان کے کھاتے میں لکھا رہے گا، حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مماتی نہ تھے وہ روح مبارک کے تعلق اور سلام سننے اور جواب دینے کے قائل ہیں جیسا کہ اسی عبارت میں صاف موجود ہے، اس کے باوجود بھی مولوی صاحب کا ان کو اپنا ہم نوا بنانا ایسی غلط بیانی ہے جیسے عبداللہ بن سبا اور اس کی برادری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا ہم خیال کہتے تھے۔ (لسان المیزان ج ۳ ص ۲۹۰)، مگر اس سے نہ مولوی صاحب کی توحید میں فرق آتا ہے نہ ایمان داری وامانت داری ہیں۔

حضرت مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: (۸) کہتے ہیں: ''مولانا نورالحسن شاہ بخاری فرماتے ہیں الحمدللہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی قبراقدس میں حیات مبارکہ باجماع امت ثابت ہے، یہ حیات اخروی ہے روح پاک اعلی علیین رفیق اعلی میں ہے، (حیات الاموات ص ۱۲۶) اس سے پہلے فرماتے ہیں، بات صاف ہوگئی کہ نہ تو روح پاک رفیق اعلی علیین سے جدا ہوئی اور نہ قبراقدس کے اندر وجود پاک میں داخل ہوئی، آپ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ اخروی حیات ہے دنیوی زندگی کے مشابہ نہیں۔　(حیات الاموات ص ۱۲۲)

جواب: مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب سے حوالے دے کر اپنا مطلب نکالنا ایسا ہے جیسے تسکین الصدور کے حوالے دے کر اپنا مطلب نکالنا اور یہ بات بے شرمی کے سوا کچھ نہیں کہلا سکتی، مولانا نورالحسن شاہ صاحب کی پیش کردہ عبارتیں لے کر اپنا استدلال بے نمازی کے لا تقربوا الصلاۃ سے بھی بہت ہی زیادہ برا استدلال ہے، بے شک مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ روح مبارک اعلی علیین میں اور رفیق اعلی میں ہے لیکن اس سے جناب کا مطلب اس لئے نہیں نکلتا کہ وہ فرماتے ہیں: ''تو جب روح کا تعلق بدن شریف سے ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو زندہ بھی یہی بدن مبارک اور جسم اطہر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبرانور میں جسمانی حیات حاصل ہے، تو یہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حیات پر امت کا اتفاق ہے وہ جسمانی (یعنی جسم عنصری والی) ہے۔''　(حیات الاموات ص ۱۲۴، ۱۲۵ طبع مکتبہ مجیدیہ ملتان)

''جب دلائل سے یہ بات بتواتر ثابت ہوگئی کہ عام موتی حتی کہ کفار ومشرکین ومنافقین کو بھی قبر میں ایک نوع کی غیر حقیقی زندگی حاصل ہے اور فی الجملہ ان کے لئے قبر میں سماع بھی ثابت ہے عام موتی عالم برزخ میں سلام کرنے والے کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور یہ سب کچھ حد تواتر کو پہنچی ہوئی احادیث سے ثابت ہے، تو پھر قبراقدس پر امام المرسلین سید الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے سماع وجواب سلام میں بحث کا کیا جواز ہے۔　(ص ۱۲۷)

کوئی مسلمان حضور کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے وجود اطہر کے ساتھ روح انور کے تعلق واتصال یا مزار پرانوار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام سننے اور جواب دینے کا انکار بھی کیسے کرسکتا ہے جب کہ یہ دونوں باتیں عام موتی کے لئے ثابت ہیں؟　(ص ۱۳۳)

پھر یہ محقق ہے کہ روضہ اقدس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو فی الجملہ حیات حاصل ہے اور آپ زائر کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں تو اب روضہ اطہر پر الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا ایسا ہے جیسا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجلس اقدس میں حاضر ہو کر یا رسول اللہ کہنا پس جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بصیغہ یا خطاب شرک نہیں تو زائر کا یا کہنا کیوں شرک ہوگیا؟　(حیات الاموات ص ۱۳۵)

کیا ان واضح عبارات کے بعد بھی انہیں مولوی صاحب کا ہم نوا کہا جاسکتا ہے؟

مولانا ابومحمد عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: مولوی صاحب لکھتے ہیں: ''مولانا عبدالحق حقانی عقائد اسلام جس پر رشید احمد گنگوہی اور نانوتوی کے دستخط ہیں ص ۶۰ میں فرماتے ہیں'' جیسا کہ انبیاء وصدیقین یا جس کو اللہ چاہے اس کو بھی (قیامت سے پہلے) جنت میں مقام ملتا ہے۔'' (اعلان حق ص ۴۸)

جواب: اس سے پہلے حضرت حقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بعد قبض ہونے کے روح آسمان پر جاتی ہے اور وہاں سے منکر نکیر کے سوال و جواب کے لئے تھوڑی دیر بعد پھر قبر میں بدن سے ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے چنانچہ یعاد روحه في جسده اس پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ تعلق حیات کے تعلق کی مانند نہیں ہوتا ہے تا کہ کوئی یوں نہ کہے کہ قبر میں مردہ اٹھتا بیٹھتا یا حرکت کرتا نہیں معلوم ہوتا، پس بعد جواب منکر نکیر کے علیین میں اس کے لئے رہنے کا حکم ہوجاتا ہے لیکن قبر سے پھر ایک طرح کا تعلق رہتا ہے کہ جو کوئی وہاں جاکر سلام علیک کہتا ہے وہ سن لیتا ہے اور چونکہ اس جسم سے فی الجملہ اس کو تعلق رہتا ہے خواہ جسم ریزہ ریزہ ہوجاوے الی قولہ پس یہ حال عام مؤمنین کا ہے اور شہیدوں کو قبل حشر کے بھی جنت میں جاملتی ہے اور اسی طرح جو شخص ان سے بھی زیادہ مرتبہ ہو جس طرح کہ صدیقین اور انبیاء ہیں یا جس کو اللہ چاہے اس کو بھی جنت میں مقام ملتا ہے۔ (عقائد الاسلام ص ۱۸۷، ۱۸۸ طبع مطبع انصاری دہلی مطبوعہ ۱۳۰۲ھ) (یادرہے کہ یہ عبارت مطبع انصاری کے قدیم نسخہ کے علاوہ (جو ہمارے پاس کرم خوردہ ہے دوسرے نسخوں میں سے کاٹ دی گئی نامعلوم کس کی کارستانی کارفرما ہے؟ ادارہ اسلامیات نے بھی اسی غلطی والے نسخہ کی فوٹو نکال کر کتاب شائع کی ہے۔ مرتب)

دیکھیں! وہ سب مؤمنین کے روح کے علیین میں ہوتے ہوئے جسم عنصری سے تعلق کو مانتے اور سلام سننے اور اس کا جواب دینے کے قائل ہیں تو وہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے جنت میں ہوتے ہوئے اجسام عنصریہ سے تعلق کے منکر ہوسکتے ہیں؟

اسی طرح دوسرے حوالے مولوی صاحب کو ہرگز مفید نہیں کیونکہ جتنے اکابرین ہیں سب کے سب روح مبارکہ کے اپنے ٹھکانے پر ہونے کے باوجود جسم عنصری سے تعلق اور جسم عنصری میں حیات کے قائل ہیں، مولوی صاحب مفہوم مخالف کو چھوڑ کر صاف اور صریح صرف اور صرف ایک مستند بزرگ کا ایسا حوالہ پیش کردیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم عنصری کے ساتھ روح کے تعلق اور عند القبر سماع کا انکار کرے، چیلنج ہے؟ اور مماتی گروپ کو استاذ مکرم مولانا صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ چیلنج کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر نہ ان کی زندگی میں اس چیلنج کا جواب دیا گیا اور نہ قیامت تک دیا جاسکے گا ان شاء اللہ۔

سب مردوں کی روحوں کا ان کے اجسام عنصریہ سے تعلق ہوتا ہے: مولوی صاحب (جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۹۴ کے حوالے سے) لکھتے ہیں: ''باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیح سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم)، تابعین، اتباع تابعین اور ائمہ مجتہدین (رحمہم اللہ) کے ارشادات و اقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً یا اثباتاً ذکر ہے، البتہ چوتھی صدی کے بعد کے شارحین حدیث نے مختلف عنوانات سے تذکرہ کیا ہے۔ (اعلان حق ص ۴۸)

جواب: یعنی چوتھی صدی کے بعد کے شارحین نے (جناب لوگوں کی طرح) اپنی طرف سے تعلق ہونے کو گھڑ لیا کیوں کہ وہ حدیث کے شارح تو ہے مگر قرآن و حدیث نہیں سمجھتے تھے؟ مجذوبانہ انداز میں کیا اود کیسے کہہ دیا گیا؟

یہ تو ابن حزم کا عقیدہ ہے کہ سوال اور سماع بھی صرف روح کے لئے ہے اور روح کا جسم کی طرف بالکل اعادہ نہیں ہوتا۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ نے یہ دو قول کہ زندگی لوٹائے بغیر کل اجزاء جسمانی یا بعض اجزاء میں تکلیف ولذت پیدا کر کے عذاب و انعام ملتا ہے یا روح جسم کی طرف نہیں لوٹتی اور نہ تعلق رکھتی ہے اور عذاب اور راحت صرف روح کو حاصل ہوتی ہے ذکر کر کے فرمایا: ''والسنة الصريحة المتواترة ترد قول هؤلاء وهؤلاء وتبين ان العذاب على الروح والجسد'' (الروح ص ۱۵۷ طبع بیروت) سنت صحیحہ متواترہ ان دونوں قولوں کو رد کرتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ عذاب روح و جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ نے بھی یہ دونوں قول ذکر کر کے ان کو باطل ٹھہرایا۔ (احوال القبور ص ۲۰۷، ۲۰۸)

اگر بالفرض اس بارے میں کوئی نص قرآنی یا حدیث صحیح بھی نہ ہو تو مماتی لوگ بھی قرآن وحدیث کے بعد اجماع امت کو عقیدہ کے اثبات کے لئے حجت ماننے کا دعوی رکھتے ہیں اور علماء نے عذاب وثواب روح وجسم دونوں کو ملنے پر اجماع نقل کیا ہے۔

علامہ ابن ہمام اور کمال الدین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''وبعد اتفاق اهل الحق على اعادة قدر مايدرك به من الحياة'' (المسامرة مع المسائرة ص ۲۲۶) اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کے جسم میں اس قدر حیات کا اعادہ ہوتا ہے کہ جس سے میت تکلیف اور لذت کا ادراک کرے۔''

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''و محله الروح والبدن جميعا باتفاق اهل السنة و كذا القول في النعيم'' (شرح الصدور ص ۱۵۸) عذاب و انعام کا محل روح وجسم دونوں ہیں اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة'' (الروح ص ۷۲) بلکہ عذاب وانعام جسم وروح دونوں کو ہوتا ہے اس پر اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

تو جب روح وجسم دونوں کو عذاب و راحت ہونے اور روح کے جسم سے تعلق ہونے پر اجماع ہے تو اجماع بھی مستقل دلیل شرعی ہے جس سے عقیدہ ثابت ہوتا ہے، دوسرے بھی بکثرت اقوال اسلاف کے پہلے ذکر ہوئے ہیں اور عذاب قبر کی بحث میں بھی ذکر ہونے والے ہیں، مرنے کے بعد صرف روح کی زندگی اور صرف روح کو عذاب وثواب ماننے والا بدعتی گمراہ ہے، اہل سنت میں سے نہیں ہے۔

<u>روحوں کے جسموں سے تعلق کے دلائل</u>: بہر حال حقیقت یہ ہے کہ: (۱) عذاب وثواب قبر کی سب احادیث اجسام عنصریہ سے روحوں کا تعلق ثابت کرتی ہیں کیونکہ روح وجسم کے مجموعہ سے نیک و بد عمل ہوئے تو سزا بھی مجموعہ پر ہونا انصاف ہے، اس لئے تو فقہاء نے لکھا کہ جس کو عذاب (اور یقینی بات ہے کہ ثواب بھی) ہوتا ہے اس میں زندگی ڈالی جاتی ہے، (ہدایہ وغیرہ) اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے کہ راحت یا تکلیف محسوس کرے۔ (کفایت المفتی، جو ابو حنیفہ ہند ہیں مگر ان کو قرآن وحدیث اتنا بھی سمجھ نہ آیا جتنا مولوی امیر عبداللہ اور اس کی جماعت کو) وتعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح رامی باشد، روحوں کا قبر سے بھی تعلق رہتا ہے۔ (تفسیر عزیزی پ عم سورہ مطففین)

(۲) سماع موتی کی احادیث کثیرہ جو متواتر بتواتر معنوی ہیں وہ بھی روحوں کے جسموں سے تعلق کو واضح کرتی ہیں، خصوصاً حدیث قرع نعال ظاہر کرتی ہے کہ منکر نکیر کے آنے اور دفن میں شریک ہونے والوں کے قبرستان سے چلے جانے سے بھی پہلے روح کا جسم سے تعلق قائم کر دیا گیا ہوتا ہے۔

(۳) خود مولوی صاحب نے کتب احادیث کے بجائے مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معارف القرآن کے حوالہ سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی ہے (جو اذان نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے خود سنی ہے، مستدرک) (اعلان حق ص ۴۶) اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی فرمائی (جس کو مولوی صاحب نے ہضم کر لیا) کہ میت جوتوں کی کھسکاہٹ سنتا ہے اور یہ بھی کہ مومن و کافر ہر ایک کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے جس سے مراد دوبارہ تعلق قائم ہونا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۶۵۴، ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۵۶، شعب الایمان ج ا ص ۳۵۶، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷، الزھد ص ۳۴۷، مشکوۃ ص ۱۴۲، مستدرک ج ا ص ۱۳۳، ۱۳۶، الشریعہ للآجری ۳۰۲ تا ۳۰۴، الاعتقاد للبیہقی ص ۱۳۵)

توجب حدیث علیین کے بارے میں صحیح اور قطعی ہے تو روح کے تعلق کے بارے میں کیوں ضعیف یا من گھڑت ہے؟

حضرت براء بن عازب کی یہ حدیث زاذان سے اور ابو اسحٰق سے اور عدی بن ثابت اور محمد بن عقبہ اور مجاہد سے اور کئی صحیح سندوں سے مروی ہو کر حدیث مشہور کی تعریف میں داخل ہو کر مشہور ہوئی۔ (مستدرک ج ا ص ۱۳۳ تا ۱۳۶، شرح الصدور ۵۱، ۵۲، ۵۳) اس لئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مشہور حدیث قرار دیا۔ (الروح ص ۶۵ تا ۶۸) اور مشہور حدیث کے مضمون کا انکار بعض نے کفر کہا لیکن راجح یہ ہے کہ اس کا انکار فسق اور گمراہی ہوتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۱۲۶)

علامہ قاسم بن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "و انکار الخبر المشهور بدعة و ضلالة" (حاشیہ علی المسائرۃ ص ۲۲۳) خبر مشہور کا انکار بدعت اور گمراہی ہے۔"

(۴) اسی مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ (مستدرک ج ا ص ۱۳۴ ح ۱۰۸)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے جس میں کافر اور بدکردار کی روح سے متعلق فرمایا: ثم تصير الى القبر (مسند احمد ح ۲۵۶۰۳ بسند صحیح مرقات ج ۴ ص ۱۸۶، ابن ماجہ، مشکوۃ ۱۴۱) پھر روح قبر کی طرف لوٹتی ہے۔"

(۶) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: "فاذا حضره الموت ارتفع ذانك الملكان و جاء ملك الموت ليقبض روحة فاذا ادخل في قبره رد الروح في جسده و جاءة ملكا القبر فامتحناه الحديث" (کتاب ذکر الموت لابن ابی الدنیا ح ۶۸، روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۸۳ بحوالہ حلیۃ الاولیاء ابونعیم، تفسیر قرطبی ج ۱۷ ص ۱۶ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، البدور السافر ص ۱۲۲)

جب آدمی پر موت آئے اعمال لکھنے والے دونوں فرشتے اوپر کو چلے جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ روح قبض کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا ہے پھر جب میت قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے فرشتہ روح کو اس کے جسم میں واپس کر دیتا ہے اور قبر کے فرشتے آتے ہیں اس کا امتحان لیتے ہیں"۔

اس حدیث میں بھی قبر میں روح کے جسم عنصری کی طرف دوبارہ لوٹنے کا واضح ثبوت ہے جس سے مراد دوبارہ تعلق قائم ہوتا ہے۔

اس قسم کی متعدد روایات ہیں اس لئے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے اعادہ روح کی احادیث کو متواتر کہا ہے: "الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن وقت السوال" (الروح ص ۷۲) صحیح متواتر احادیث دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔ (پھر دوبارہ تعلق ختم ہو جانا ثابت نہیں)

مماتیوں کا اللہ یتوفی الانفس سے استدلال: ان لوگوں کے پاس اپنے خیال میں اس کے خلاف قرآن مجید کی آیت موجود ہے: "الله يتوفى الانفس حين موتها و التى لم تمت فى منامها فيمسك التى قضى عليها

الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی "اللہ تعالیٰ روحوں کو قبض کر لیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مریں ان کی نیند کے وقت، پھر اس کو روک لیتا ہے جس پر موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو موت کے وقت مقررہ تک بھیج دیتا ہے۔"

حالانکہ یہ آیت موجود ہوتے ہوئے اسلاف نے روح کے جسم عنصری سے تعلق کا عقیدہ رکھا اور بیان کیا ہے، تو اس آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ والتی لم تمت سے مابعد تک نیا کلام ہے اول حصہ کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت روح قبض کر لیتا ہے۔ (اور موت کے وقت روح قبض ہونا سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے، موت کے بعد پھر کیا ہوتا ہے؟ آیت میں اس کا کچھ ذکر نہیں) دوسرے حصہ میں یہ ذکر ہے کہ نیند کے وقت بھی روح قبض ہو جاتی ہے اور عالم بالا میں چلی جاتی ہے، وہاں اس کی ملاقات پہلے فوت شدہ روحوں سے ہوتی ہے، پھر اللہ کے حکم سے فوت شدہ اور زندوں کی روحوں کی جدائی کا وقت آتا ہے تو مردوں کی روحوں کی زندوں کی روحوں سے الفت ہو جانے کے سبب مردوں کی روحیں بھی زندوں کی روحوں کے ساتھ دوبارہ دنیا میں آنا چاہتی ہیں اور زندوں کی روحیں مردوں کی روحوں کے ساتھ وہیں رہنا چاہتی ہیں تو فیمسك التي قضی علیها الموت مردوں کی روحوں کو اللہ تعالیٰ روک دیتا ہے ویرسل الاخری الی اجل مسمی اور زندوں کی روحوں کو ان کی موت کے مقررہ وقت تک دنیا میں بھیج دیتا ہے۔ (تفسیر جمل علی الجلالین آیت ھذا)

(۲) دوسری تفسیر جو آیت سے صاف ظاہر ہے یہ ہے کہ اول حصہ میں موت کے وقت روح قبض ہونے کا ذکر ہے، اس کے بعد اس کا کچھ حال ذکر نہیں، دوسرے حصہ میں نیند کے وقت روح قبض ہونے کا ذکر ہے اور یہ کہ پھر یہ نیند میں سوئے ہوئے دو قسم کے بندے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے متعلق فیصلہ ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں ان کو موت آئے تو ان کی روح کو (جو نیند کے وقت قبض ہوئی) اللہ تعالیٰ مکمل طور پر وہیں روک دیتے ہیں، نہ دوبارہ لوٹتی ہے نہ یہ سونے والا جاگتا ہے بلکہ موت کا شکار ہو جاتا ہے، دوسرے قسم کے وہ بندے جن کے متعلق نیند کی حالت میں موت دینے کا فیصلہ نہیں ہوتا ان کی روح کو دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے اور وہ اپنی عمر پوری کرتے ہیں، پہلے قسم کے بندوں سے متعلق فرمایا فیمسك التي قضی علیها الموت دوسرے قسم کے بندوں سے متعلق فرمایا ویرسل الاخری الی اجل مسمی تو نیند میں فوت ہونے والے کی روح کا نیند میں موت کے وقت عالم بالا میں امساک ہو جاتا ہے کہ پھر جاگتا نہیں، اس کے بعد کیا ہوتا ہے آیت میں کچھ ذکر نہیں ہے، تو آیت سے صرف یہ ثابت ہوا کہ موت جاگنے کی حالت میں آئے یا سونے کی حالت میں بہرصورت موت کے وقت روح قبض ہو جاتی ہے، مگر پھر قبر میں جسم عنصری کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اعادہ ہوتا ہے یا نہ؟ آیت میں کچھ ذکر نہیں۔

(۳) اگر بالفرض فیمسك التي قضی علیها الموت الخ سے وہی مراد لی جائے جو مماتی کہتے ہیں کہ میت کی روح کا جسم عنصری سے امساک ہو جاتا ہے، تو اس امساک سے ایسا امساک کلی مراد نہیں ہے جس سے نوع من الحیات بھی نہ ہو بلکہ اتنی بات ہے کہ دنیا کی حیات کی طرح مکمل حیات نہیں رہتی، بلکہ روح کے جسم سے ایسے تعلق کا امساک ہو جاتا ہے جس تعلق سے روح جسم میں تصرف کر سکے، چنانچہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ "ای یمسکها عن الابدان بحیث یتعلق عنها تعلق التصرف فیها" یعنی اللہ تعالیٰ روحوں کو جسموں سے اس قسم کے تعلق سے روک لیتا ہے کہ روحیں جسموں میں تصرف کر سکنے کا تعلق رکھیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ''أي يقبضها عن الابدان بان يقطع تعلقها تعلق التصرف فيها عنها'' (روح المعانی ج ۷ ص ۲۴) یعنی بدنوں سے روحیں اس طرح قبض کر لیتا ہے کہ بدنوں میں ان کے تصرف والے تعلق کو ختم کر دیتا ہے۔

علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسے نیند میں روح قبض ہوئی مگر سویا شخص زندگی کے ساتھ زندہ ہے، ایسے ہی مرنے والے کی روح قبض ہوئی مگر خاص زندگی کے ساتھ زندہ ہے، تو امساک بھی ہے اور زندگی بھی ہے تو آیت قبر کی زندگی کے خلاف نہیں۔

''وانما فيها نوع اتصال الروح في البدن بحيث يحصل بذالك شعور البدن واحساس بالنعيم والعذاب وغيرهما وليس هو حيلة تامة حتى يكون انفصال الروح به موتاً تاماً وانما هو شبيه بانفصال روح النائم عنه ورجوعها اليه فان ذالك يسمى موت وحياة كما كان يقول رسول الله ما اذا استيقظ الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور، وسماه الله وفاة لقوله تعالى الله يتوفى الانفس حين موتها ..... ومع هذا فلا ينافي ذالك ان يكون النائم حياً وكذالك اتصال روح الميت ببدنه وانفصالها عنها لا توجب ان يصير حيا حياة مطلقة'' (احوال القبور ص ۷، ۱۳۸،۱۳) قبر میں تو روح کا بدن سے اس طرح کا ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے جس سے بدن کا شعور اور انعام وعذاب وغیرہ کا احساس حاصل ہوتا ہے اور یہ تو کامل حیات نہیں ہے کہ اس سے روح کا (موت کے بعد) جدا رہنا کامل موت ہو یہ تو سونے والے کی روح کے اس سے جدا ہونے اور پھر اس کی طرف لوٹ آنے کے مشابہ ہے کہ اس کو موت بھی کہتے ہیں اور حیات بھی کہتے ہیں، جیسے حضور ﷺ جاگ کر فرماتے اس اللہ کی حمد ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندگی دے دی اور اس کی طرف جمع ہوتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے بھی نیند کا نام موت رکھا الله يتوفى الانفس حين موتها الاية میں اس کے باوجود یہ بات سوئے ہوئے کے زندہ ہونے کے خلاف نہیں، ایسے ہی چاہے روح کو میت سے جدا ہو تو بھی میت کی روح کا بدن سے تعلق ہے اور تعلق ہونا حیات مطلقہ (حیات کامل) ہونے کو لازم نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ روح روکی ہوئی بھی ہے اور حیات بھی ہے، تو آیت قبر کی حیات کے خلاف نہیں ہے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بھی ابن حزم کے استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''فامساكه سبحانه التي قضى عليها الموت لا ينافي ردها الى جسدها الميت في وقت ماردا عارضاً لا يوجب له الحياة المعهودة في الدنيا و اذا كان النائم روحه في جسده وهو حي وحياته غير حياة المستيقظ فان النوم شقيق الموت فهكذا الميت اذا اعيدت روحه الى جسده كانت له حال متوسطة بين الحي وبين الميت الذى لم ترد روحه الى بدنه كحال النائم المتوسطة بين. الحي والميت'' (الروح ص ۶۲، ۶۳) اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکنا جس پر موت کا فیصلہ کیا اس روح کے مردہ جسم کی طرف کسی وقت (سلام وغیرہ کے وقت) ایسے انداز کے عارضی لوٹانے کے خلاف نہیں جو لوٹانا دنیا کی مشہور زندگی کو لازم نہیں کرتا، جب سوئے ہوئے شخص کی روح اس کے جسم میں ہے جب کہ اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں کیونکہ موت بھی نیند کی سگی بہن ہے، تو اسی طرح میت کی روح جب اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے تو اس کا حال زندہ اور اس میت کے حال کے درمیان ہوتا ہے جس کی روح نہ لوٹی ہو، جیسے سویا ہوا شخص زندہ و مردہ کے حال کے درمیان میں ہوتا ہے۔ (الروح ص ۶۲، ۶۳)

تو قبر میں پہنچا ہوا شخص امساک روح کی وجہ سے میت بھی ہے اور روح کے تعلق کی وجہ سے حی بھی ہے اس لئے آیت قبر کی زندگی کے خلاف نہیں ہے۔

مولوی صاحب کا چیلنج: (۱) کسی حدیث صحیح میں یہ الفاظ دکھا دیں کہ آپ ﷺ کی زندگی بعد از وفات دنیوی یا دنیا کی سی ہے؟

جواب: ہم روح کے اپنے مقام میں ہوتے ہوئے جسم عنصری سے تعلق کے ذریعہ برزخی زندگی مانتے ہیں وہ دنیاوی نہیں مانتے جس پر آپ چیلنج کر رہے ہیں لہذا کوئی حدیث دکھانے کی ضرورت نہیں۔

(۲) حضرت عائشہ نے انك لا تسمع الموتی سے سماع موتی کی نفی فرمائی ہے، کسی ایک سند سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی تفسیر کی تردید دکھائیں؟

جواب: آپ کسی ایک سند سے دکھائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچانے والوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تفسیر پہنچائی بھی ہے؟ تردید تو پہنچنے کے بعد ممکن ہے آپ پہنچنا ثابت کریں؟ ہم نے باحوالہ ذکر کر دیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع ثابت ہے۔

(۳) کسی ایک حدیث میں (دکھائیں) جس کے راویوں میں سے کوئی راوی مجروح یا شیعہ نہ ہو اور پیغمبر علیہ السلام کا بعد از وفات صلوۃ وسلام سننا یا سفارش کرنا ثابت ہو۔ (اعلان حق دوم ص ۷۵)

جواب: اگر مراد مطلق جرح ہے چاہے غیر معتبر ہی کیوں نہ ہو تو ایسی حدیث ہم پیش کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ احادیث نبویہ کے بہت سے راوی ایسے ہیں جن پر کچھ نہ کچھ جرح ہوئی ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جرح سے محفوظ نہیں رہے اور اگر معتبر و مفسر جرح مراد ہے جس سے راوی کی روایت من گھڑت یا کم از کم ضعیف ہوتی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ حدیث من صلّی علی عند قبری سمعته و من صلّی علیَ من بعید اعلمته ابوالشیخ کی سند والی ایسی صحیح ہے جس کے راویوں پر معتبر جرح نہیں ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یا محمد ﷺ کہنے پر جواب دینے کی حدیث اور ان کے سلام کرنے اور آپ ﷺ کے جواب دینے کی حدیث اور بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کے حاضر ہو کر بارش کی دعا کرانے کی حدیث کے راویوں پر بھی معتبر جرح نہیں ہوئی، آپ جرح کی وضاحت کریں اور گول مول مبہم بات بھی نہ کریں اور انعام بھی اپنی قلم سے لکھ دیں اور عدالت میں حاضری کے لئے تیاری کریں۔

عذاب قبر اور اس کی کیفیت: مولوی صاحب عذاب قبر صرف روح کے لئے مانتے ہیں جسم عنصری کو عذاب نہیں مانتے، یہ ابن حزم ظاہری اور ابن میسرہ (یا ابن ہبیرہ) کا مذہب ہے جو شاذ ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خالفهم الجمهور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۷)

مولوی صاحب کی پسندیدہ کتاب حیات الاموات میں مولانا نور الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بعض مبتدع فرقوں کا زعم ہے کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے اور بعض کا وہم ہے کہ صرف جسم کو ہوتا ہے، لیکن اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر کا عذاب یا آرام روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ (ص ۱۵، ۱۴)

تو تمام اہل سنت اس عقیدہ کے برخلاف ہیں وہ روح و جسم عنصری دونوں کو عذاب ہونا مانتے ہیں اور ابن حزم وغیرہ کے مذہب کو رد کرتے ہیں، ابن حزم حنفی نہیں ہے بلکہ اپنے کو درجہ اجتہاد پر فائز سمجھا اور کسی امام کی تقلید نہ کی جس کی وجہ سے کئی مقامات میں غلطیوں کا شکار ہوئے، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ابن حزم پر تبصرے اور تنقیدات کو اعلاء السنن میں

خوب پڑھیے آنکھیں کھل جائیں گی، کم ازکم اپنے کو حنفی کہلانے پر مصران لوگوں کو مذہب احناف کی پیروی کرنی چاہئے۔

<u>اہل سنت اور حنفی فقہاء کی تصریحات</u>: کیا مولوی صاحب کو ہدایہ کتاب الایمان باب الیمین بالقتل والضرب (ج ۲ ص ۳۸۴ میں) ومن یعذب في القبر یوضع فیه الحیاة في قول العامة اور عینی شرح ہدایہ (ج ۲ ص ۶۴۰) میں و یوضع فیه الحیاۃ اور (ردالمحتار ج ۳ ص ۱۴۳) میں توضع فیه الحیاۃ عند العامة بقدر ما یحس بالالم نظر نہیں آتا کہ جس کو قبر میں عذاب ہوتا ہے جمہور کے نزدیک اس میں حیات ڈالی جاتی ہے اور یہ کہ اس میں اس قدر حیات ہوتی ہے کہ تکلیف محسوس کر سکے؟

کیا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ آپ نے نہیں پڑھے۔ ''ہاں! اس میں اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے جس سے تکلیف یا راحت محسوس کر سکے۔'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۹۶، بحث سماع موتی) کیا شرح الصدور (باب عذاب القبر) میں جناب کو نظر نہیں آیا و محله البدن و الروح جمیعاً باتفاق اهل السنة عذاب قبر کا محل روح و بدن دونوں ہیں اس پر اہلسنت کا اتفاق ہے؟

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر روح و جسم دونوں کو ہوتا ہے میت پر قبر کی تنگی کی بکثرت احادیث اس پر دلیل ہیں۔ اگر عذاب صرف روح کو ہوتا تو نہ عذاب کی قبر کے ساتھ تخصیص ہوتی نہ قبر کی طرف منسوب ہوتا،'' و مما یدلّ علی وقوع العذاب علی الاجساد الاحادیث الکثیرة في تضییق القبر علی المیت حتی تختلف اضلاعه و لانه لو کان العذاب علی الروح خاصة لم یختص العذاب بالقبر و لم ینسب الیه'' (احوال القبور ص ۱۴۰)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث لکھ کر فرماتے ہیں کہ هذا صریح في ان البدن یعذب اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے۔ (الروح ص ۷۸)

علامہ حسن قمی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روح و جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔

(تفسیر نیشاپوری بر حاشیہ ابن جریر ج ۲۹ ص ۵۳ مصر)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا عذاب مانتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۶۳، ۱۵، ۹۰)

علامہ ابوالشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا عذاب مانتے ہیں۔ (التمہید ص ۱۳۶ طبع مطبع فاروقی دہلی) لہذا مولوی صاحب کو ہم چیلنج کر سکتے ہیں کہ جناب والا صرف ایک حنفی اور ایک دیوبندی کا حوالہ دیجئے جو عذاب قبر صرف روح کے لئے مانتا ہو اور جسم کے عذاب کی نفی کرتا ہو؟ (کچھ حوالے ہم نے راہ حق میں درج کئے ہیں اور کچھ پہلے ذکر ہو گئے ہیں)

<u>مولوی صاحب کے دلائل کا ایک جائزہ</u>: عذاب قبر صرف روح کو ہونے پر مولوی صاحب نے جو دلائل دیئے ہیں ان پر غور فرمائیں۔

<u>پہلی دلیل</u>: (۱) کلما نضجت جلودهم بدلناهم جلوداً غیرها لیذوقوا العذاب، جب ان کے چمڑے جل جائیں گے تو ہم ان چمڑوں کے علاوہ اور چمڑے تبدیل کر دیں گے تا کہ عذاب چکھیں، اس آیت سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے جسم میں احساس عذاب نہیں، ورنہ بھاری سوال لازم آئیگا کہ جب اللہ تعالیٰ اور چمڑے دے گا تو ان چمڑوں کو اللہ تعالیٰ کیوں عذاب دے گا جو گناہ میں شریک کار نہ تھے، اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ چمڑوں کو احساس عذاب نہیں ہے، عذاب صرف روح کو ہوتا ہے۔ (اعلان ص ۵۵)

دوسری دلیل: (۲) کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ نے زانیوں کو اکٹھے تنور میں دیکھا فرمایا قیامت تک ان کو عذاب ہوتا رہے گا ظاہر ہے کہ دنیا میں تمام زانی ایک جگہ مدفون نہیں یہ صرف روح ہیں۔

جواب: حدیث شریف کے الفاظ کا ضروری حصہ یوں ہے: "اما الرجل الذي رئيته يشق شدقه فكذاب يحدث بالكذبة فتحمل عنه حتى تبلغ الآفاق فيصنع به ماترى الى يوم القيمة والذى رئيته يشدخ رأسه فرجل علمه الله القرآن ننام عنه بالليل ولم يعمل بمافيه بالنهار يفعل به مارئيت الى يوم القيمة والذى رئيته في النقب فهم الزناة والذى رئيته في النهر آكل الربوا الحديث۔" (مشکوۃ ص۳۹۶،۳۹۵ کتاب الرؤیا)

وہ آدمی جو آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کی گال پھاڑی جاتی ہے وہ بہت جھوٹ بولنے والا ہے، جو جھوٹی بات کرتا ہے اور وہ اس سے لے کر دنیا میں پھیلا دی جاتی ہے، جو آپ نے دیکھا وہ معاملہ قیامت تک اس کے ساتھ کیا جائیگا اور جو دیکھا کہ اس کا سر پھوڑا جاتا ہے تو یہ وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا لیکن رات کو اس کے پڑھنے سے سویا رہتا ہے اور دن کو اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا، جو عذاب آپ نے دیکھا وہ اس کو قیامت تک دیا جائے گا اور جو آپ نے تنور کے سوراخ میں دیکھا یہ زانی لوگ ہیں اور جو نہر میں دیکھا وہ سود خور ہے۔

ایک بات یہ کہ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے معراج کی رات دیکھا ایسا نہیں بلکہ آپ ﷺ کو خواب میں یہ دکھایا گیا، دوسری بات یہ کہ بے شک آپ ﷺ کو برزخ میں ہونے والے حالات دکھائے گئے ہیں، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جن کو عذاب ہوتا دکھایا گیا ہے کیا وہ واقعی عذاب کی صورت تھی یا آئندہ پیدا ہونے والے مجرموں اور ان کے جرموں کی سزا کی مثالی صورت دکھائی گئی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ وہ لوگ تو ہرگز نہ تھے جو دور جاہلیت میں مرے ہیں کیونکہ ان کو سزا کفر و شرک پر ہوتی ہے اور وہ بھی نہ تھے جو قرآن کے اترنے اور سود کے حرام ہونے سے پہلے مرے ہیں، یا وہ لوگ ہوں جو قرآن کے اترنے اور سود حرام ہونے کے بعد اور اس خواب سے پہلے مرے ہوں اور وہ تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی تھے اور یقیناً صحابہ رضی اللہ عنہم بھی معذب نہ ہو رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت حافظ قرآن تھی لیکن کیا صحابہ میں قرآن کا حافظ بے عمل بتایا جا سکتا ہے؟ تو وہ بھی مراد نہیں ہو سکتے، نیز مولوی صاحب کے نظریہ کے مطابق ان کے لئے غور کی بات یہ بھی ہے کہ عذاب تو سجین یا جہنم میں ہوگا یہ حالات تو آپ ﷺ کو اوپر دکھائے گئے جب کہ سجین یا جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے، تو یہ اوپر روحیں اور سجین یا جہنم کیسے چلی گئی؟ سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ یہ کہا جائے کہ آپ کو مثالی صورتیں دکھائی گئیں کہ امت کو بتائیں کہ قرآن پڑھ کر غافل ہو جانے والے کو مرنے کے بعد برزخ میں یہ سزا ہوگی اور سود خور کو یوں سزا ہوگی واقعی سزا میں مبتلا لوگ نہیں دکھائے گئے ہیں، پھر اگر اس سے روح کا عذاب ثابت ہوتا ہے تو یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ صرف اور صرف روح کو عذاب ہوتا ہے، پہلے ذکر ہوا کہ روح علیین یا سجین میں یا جنت اور دوزخ میں ہو تو اس کو جو جزا و سزا ہوگی اس کا اثر اس کے جسم کے ہر جزء تک پہنچے گا، اس حدیث سے روحوں کا معذب ہونا ثابت ہوا مگر جسموں کو عذاب ہونا نہ ہونا کچھ ثابت نہیں ہوتا اور اس سے صرف روحوں کو عذاب ہونے اور جسموں کو بالکل عذاب نہ ہونے کو ثابت یہ مولوی صاحب کا ذاتی اجتہاد ہے، حدیث کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہے، پھر عقیدہ کے باب میں خبر واحد سے گاڑی نہیں چلتی تو یہ خبر واحد باب عقیدہ میں کیوں حجت ہے؟ یا اس کا متواتر ہونا ثابت کریں۔

تیسری دلیل: (۳) کہتے ہیں: ''اسی طرح شہیدوں کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں کھاتی پھرتی ہیں پھرعرش رحمانی کے نیچے بسیرا کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ راحت یا عذاب کا تعلق صرف روح سے ہے۔ (اعلان حق ص ۵۵)

جواب: اس میں صرف روحوں کی حالت ذکر ہوئی کہ وفات کے شہداء کی روحیں جنت میں کھاتی پھرتی اورعرش کے نیچے رہتی ہیں، یہ کہاں ذکر ہوا کہ اجسام عنصر یہ مردہ ہیں اور روحوں کا نہ جسموں سے تعلق ہے نہ جسموں میں زندگی ہے، صرف اور صرف روحیں زندہ ہیں؟ روحوں کے ٹھکانے کے ذکر سے جسموں کی زندگی نہ ہونا اوران کو عذاب یا راحت نہ ہونا اور صرف روحوں کو ہی عذاب یا راحت ہونا تو ثابت نہیں ہوتا،

چوتھی دلیل: (۴) کہتے ہیں ایسے ہی فرعونیوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے النار یعرضون علیھا الآیۃ تمام مفسرین فرماتے ہیں فرعونیوں کی ارواح کو سیاہ پرندوں کی شکل میں دن میں دو مرتبہ آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا۔　　(ابن کثیر معالم، ابن جریر خازن، اعلان حق ص ۵۵)

جواب: جناب! مفسرین نبی نہیں، نہ صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین ہیں، ان کے اپنے اقوال سے عالم غیب کی یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی آیت یا حدیث متواتر پیش فرمائیں؟ اور اس بارے میں مفسرین نے جو روایات درج کیں ان میں سے (۱) روایت ابن مندہ کی سب کفار کی ارواح کے بارے میں وارد ہے کہ کافروں کی روحیں کالے پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی اور دوزخ سے کھاتی پیتی ہیں، جس کے متعلق علامہ ابن رجب فرماتے ہیں کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ربذی ہے جو نیک آدمی تھا لیکن عبادت کی مشغولیت نے اس کو حفظ حدیث سے مشغول کر رکھا تھا، تو اسکی حدیثوں میں منکر روایات بہت ہوگئیں۔ (احوال القبور ص ۱۸۲) امام احمد کہتے ہیں اس سے روایت لینا جائز نہیں، منکر الحدیث ہے، ابن معین فرماتے ہیں اس کی حدیث سے حجت نہیں لی جاسکتی، ابن مدینی نے فرمایا اس نے منکر روایات بیان کیں، نسائی اور ترمذی نے کہا ضعیف ہے، ابن عدی کہتے ہیں اس کی احادیث میں کمزوری ظاہر ہے، حاکم ابواحمد کہتے ہیں محدثین کے نزدیک قوی نہیں وغیرہ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱) اور ابن مندہ کی کتاب طبقہ رابعہ کی کتاب ہے جس کے نیچے کے طبقہ ثالثہ کی روایات جناب کے فرمان کے مطابق نہ عقیدہ میں قابل قبول ہوسکتی ہیں نہ عمل میں تو طبقہ رابعہ کی روایات بطریق اولی نا قابل قبول ہیں۔

(۲) اور ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کعب احبار سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ (شرح الصدور ص ۲۰۷ بحوالہ ابن ابی شیبہ و بیہقی) اور کعب احبار نہ نبی ہیں نہ صحابی ہیں، وہ اسرائیلیات بھی بیان کیا کرتے تھے۔

(۳) ایک روایت ھناد بن السری کی کتاب الزھد کی ہے جس میں ہذیل کا قول ہے وہ بھی نہ نبی ہے نہ صحابی اور کتاب بھی طبقہ رابعہ کی ہے۔ (شرح الصدور ص ۲۰۱) اسی روایت کو علامہ ابن رجب نے (اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم، تفسیر ج ۴ ص ۸۲) ذکر کرتے ہوئے ذکر کیا کہ یہ ہذیل کا قول ہے یا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نقل کر کے فرماتے ہیں اس کا راوی لیث ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۶۴ کتاب الجنائز باب ما جاء فی عذاب القبر) اور پھر یہ اس طبقہ سے بھی ایک درجہ اوپر کے طبقہ والی کتابوں کی روایت ہے جس کے متعلق مولوی صاحب کا کہنا ہے ''اس طبقہ کی احادیث کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے عقیدہ میں نہ عمل میں۔''　　(اعلان حق ص ۵۰)

مگر جناب کے کام کی ہیں اس لئے قبول فرمانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں فرما رہے) اور حضور ﷺ سے اس بارے میں ایک روایت بھی نہیں ہے، پھر ان روایات میں روحوں کے عذاب کا ذکر ہوا اور ان کے عذاب کے ذکر کا معنی جسموں کے عذاب کی نفی تو نہیں ہے۔

<u>پانچویں دلیل</u>: (۵) کہتے ہیں ''قوم نوح کے بارے میں ہے اغرقوا فادخلوا نارا غرق ہوتے ہی آگ میں داخل کئے گئے جسم تو ان کے پانیوں میں تھے لیکن روح آگ میں چلی گئی۔

<u>جواب</u>: اس آیت میں خطیئاتھم کی ضمیر اور اغرقوا کی ضمیر جمع قوم نوح کے اجسام وارواح کے مجموعہ کے لئے ہے تو ادخلوا کی ضمیر جمع بھی مجموعہ کے لئے ہے۔ تو آگ میں روح وجسم دونوں داخل ہوئے روح کا آگ میں داخلہ مولوی صاحب مانتے ہیں اور جسم آگ میں اس طرح کہ قبر یعنی پانی (جہاں جسم تھے) ان کے لئے دوزخ کی آگ کا گڑھا ہوا، اس لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آگ سے مراد برزخ کی آگ ہے اور مراد عذاب قبر ہے اور فرماتے ہیں یہ آگ اسی پانی میں تھی جس میں غرق ہوئے ہیں، علامہ ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ذکر کیا ہے:

لا تعجبن لاضداد اذا اجتمعت فالله يجمع بين الماء و النار

جب کئی ضدیں جمع ہوں تو تعجب نہ کرو کیونکہ آگ اور پانی کو اللہ تعالیٰ ہی جمع کرتا ہے۔

تو جسم بھی عذاب میں مبتلا ہوئے اور روح بھی۔ (روح المعانی ج ۲۹ تحت آیت ہذا)

<u>مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ</u>: مزید کہتے ہیں کہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برزخ اور قبر میں براہ راست روح کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اس وقت روح اور جسم جدا جدا ہوتے ہیں پھر قیامت کے دن جسم کے ذریعے روح کو تکلیف ہوگی۔

<u>جواب</u>: معلوم نہیں کہ مولوی صاحب نے حوالہ کس کتاب سے لیا ہے؟ اگر عبارت پوری ہو تو مطلب صرف اتنا ہے کہ قبر و برزخ میں اولا عذاب روح کو ہوتا ہے جسم کو عذاب ہونا بالتبع ہے اصالۃً نہیں ہے یعنی براہ راست نہیں روح کے واسطہ سے ہے، جس طرح دنیا میں تکلیف روح کو براہ راست نہیں جسم کے واسطہ سے ہے، وہاں اس کے برعکس ہوگا، پھر قیامت کے دن دنیا کی طرح ہوگا کہ براہ راست جسم کو اور اس کے واسطہ سے روح کو راحت یا تکلیف ہوگی۔

<u>قبر سے کونسی قبر مراد ہوتی ہے</u>؟ اسی چھٹے باب میں مولوی صاحب نے یہ بحث بھی کی ہے کہ قبر سے مراد کون سی قبر ہے؟ مولوی صاحب کا عقیدہ ہے کہ: ''جب احکام صرف جسم سے متعلق ہوں تو قبر سے مراد عرفی قبر ہے۔ لیکن احکام جب راحت یا عذاب کے متعلق ہوں تو اس وقت قبر دوسرے جہان عالم برزخ کو کہتے ہیں روح کی تکلیف یا راحت کو عذاب یا ثواب قبر کہتے ہیں۔'' (اعلان حق ص ۵۶)

<u>سوال</u>: یہ ہے کہ کیا قبر کے مفہوم کے اس فرق کے عقیدہ پر مولوی صاحب کے پاس کوئی ایک نص قطعی الدلالۃ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ محض مولوی صاحب کا اپنا گھڑنتو فرق ہے اور اس پر ایک بھی قطعی الدلالہ نص مولوی صاحب کے پاس نہیں، آخر قرآن مجید میں جو فرمایا و اذا القبور بعثرت جب قبریں اکھاڑی جائیں گی، تو یہ کونسی قبریں اکھڑیں گی؟ اذا بعثر مافی القبور جب اکھاڑ دیا جائے گا جو قبروں میں ہے۔ یہاں کونسی قبریں مراد ہیں؟ وما انت بمسمع من في القبور میں یہ قبریں اور ان قبروں والے مردے کیوں مراد لیتے ہیں؟ ہم نہیں سمجھتے کہ قبر کا عذاب وثواب سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کوئی دوسری قبر مراد لیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی قبرستان والی قبر پر سے گزرتے تو روتے اور فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا القبر اول منزل من منازل الآخرۃ (مصابیح السنۃ ج ۱ ص ۲۸ ح ۹۱) قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر انہی قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے بدکتا ہے اور انہی قبروں کے مدفون لوگوں کے متعلق پوچھتے ہیں، پھر فرماتے ہیں انہیں عذاب ہو رہا ہے (احوال القبور ۸۳، ۸۲، شرح الصدور ۱۴۰، بحوالہ مسلم و ابن ابی شیبہ عن زید بن ثابت) دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہیں انہیں عذاب میں مبتلا ہونا معلوم کر کے انہی قبروں پر کھجور کی چھڑیاں ڈالتے ہیں اور فرماتے ہیں جب تک یہ تر رہیں گی ان کا عذاب ہلکا رہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸۲، ۱۸۴) عذاب کی بات بھی فرماتے ہیں اور اشارے انہی زمینی قبروں کی طرف کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا قبروں والوں کو ایسا عذاب ہوتا ہے جس کو چوپائے بھی سنتے ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۴۲ و مسلم ج ۱ ص ۲۱۷، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۶۲، منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۰ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا وام مبشر و ابن مسعود رضی اللہ عنہ فھو حدیث مشہور) تو چوپائے انہی قبروں کے پاس سے گزرتے اور سنتے ہیں اور چوپائے بھی وہی ہیں جنہیں ہر آدمی جانتا سمجھتا ہے، اگر مولوی صاحب بھی یہی چوپائے مانتے ہیں مگر سجین میں ہی عذاب کو منحصر کرتے ہیں تو بتائیں کیا چوپائے دور کی آواز سن لیتے ہیں اور اسے شرک تو نہیں لازم آتا؟ جب یہی چوپائے مراد ہیں اور دور سے نہیں سنتے نزدیک سے سنتے ہیں تو نزدیک زمین والی قبریں ہی ہیں اور انہی سے سنتے ہیں اور ان قبروں میں جسم عنصری ہے جو روح کے تعلق سے عذاب میں ہوتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں داخل ہو کر فرماتے ہیں بلال رضی اللہ عنہ یہ جو میں نے سنا وہ تم نے سنا؟ عرض کیا نہیں، فرمایا اس قبر والا عذاب میں ہے، معلوم کیا تو وہ یہودی تھا۔

(شرح الصدور ص ۱۴۱ بحوالہ مسند احمد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی بدر کے پاس سے گزرتے ہیں اچانک ایک آدمی قبر سے نکلتا ہے دوسرا اس کے پیچھے ہے، ہاتھ میں درّا ہے، پہلا کہتا ہے عبداللہ پانی پلا دے، دوسرا کہتا ہے نہ پلانا یہ کافر ہے، درا مارا اور زنجیر کھینچ اور اسے پھر قبر میں کر دیا آپ رضی اللہ عنہ کو آ کر بتایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اللہ کا دشمن ابو جہل ہے۔ (کتاب القبور، موسوعہ لا بن ابی الدنیا ج ۶ ص ۴۷ باسانید صحیحہ) کیا یہ کوئی دوسری قبر تھی؟ اور کیا صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں وغیرہ کے ہوتے قبروں سے کوئی دوسری مراد لیتے تھے؟ (تو کسی ایک صحابی سے ثبوت دے دیں؟ اور مذکورہ روایات کا تعلق عذاب سے ہی تو ہے مگر پھر بھی یہی زمین والی قبر مراد ہونا واضح ہے، ایک عبارت اپنے معتمد بزرگ کی بھی سنیے:

''حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آیت قرآنی فان لہ معیشۃ ضنکاً کے متعلق فرماتے ہیں۔

بعض مفسرین نے معیشۃ ضنکاً سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے یعنی قیامت سے پہلے اُس پر سخت تنگی کا ایک دور آئے گا جب کہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائے گی معیشۃ ضنک کی تفسیر عذاب قبر سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی ہے بلکہ بزار نے باسناد جید ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۴۱۵)

یہاں علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ قبر کی زمین کا تنگ ہو جانا ذکر فرما رہے ہیں اور قبر کی زمین قبرستان میں ہوتی ہے، یہ اردو کا لفظ ہے کسی اور زبان کا نہیں اور اردو میں قبر کی زمین اسی قبر کو کہا جاتا ہے اور بات بھی عذاب قبر کی ہو رہی ہے، مولوی صاحب کی اگر تسلی ہو سکے تو ایک اور حوالہ بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا، امام ابو القاسم سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: ''قال و المراد بضغطة القبر التقاء جانبيه على جسد الميت'' (شرح الصدور ص ۹۸)
فرمایا قبر کے تنگ ہونے سے مراد قبر کے دونوں جانبوں کا میت کے جسم پر مل جانا ہے۔''

ہر عقل مند پر ظاہر اور واضح ہے کہ میت کا جسم اسی زمینی قبر میں ہوتا ہے اور جب قبر کے دونوں جانب جسم پر مل جاتے ہیں تو وہ اسی قبر میں ہی ملتے ہیں کیونکہ کسی دوسری قبر میں میت کا جسم نہیں ہے کہ اس پر مل جاتے ہوں، یہاں بھی ذکر عذاب کا ہو رہا ہے اور مراد یہی قبر ہے۔

علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ومما يدل على وقوع العذاب على الاجساد الاحاديث الكثيرة في تضييق القبر على الميت حتى تختلف اضلاعه۔'' (احوال القبور ص ۱۴۰)

ان دلائل میں سے جو جسموں کو عذاب ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ بکثرت احادیث بھی ہیں جن میں ہے کہ قبر میت پر تنگ ہو جاتی ہے حتی کہ اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ میت کا جسم اور پسلیاں اسی زمینی قبر میں ہوتی ہیں، تو عذاب کا ذکر بھی ہے اور مراد بھی یہی قبر ہے اور علامہ ابن رجب اسی جسم کی پسلیاں اور اسی کا عذاب ثابت کر رہے ہیں، ایسے ہی ایک صحابی رضی اللہ عنہ قبر پر خیمہ نصب کرتا ہے اور قبر والا راحت میں ہے اور سورہ ملک کی تلاوت کرتا ہے اور صحابی سنتا ہے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس سورت کی تلاوت نے اس کو عذاب قبر سے نجات دلائی اور راحت حاصل ہوئی۔ (احوال المقبور ص ۶۹ بحوالہ ترمذی وقال حدیث حسن شرح الصدور ص ۱۶۴، وحاکم وبیہقی)

معلوم ہوا کہ عذاب قبر اور راحت قبر کے ذکر کے وقت بھی قبر سے یہی زمینی قبر مراد ہوتی ہے نہ کہ کوئی دوسری قبر، ہاں اس قبر میں عذاب وثواب ہمیشہ مشاہدہ میں نہیں آ سکتا کبھی مشاہدہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوتا، عام قانون یہ ہے کہ مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا البتہ کبھی کسی مجرم کے جرائم سے بندوں کو عبرت دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ مشاہدہ کرا دیتے ہیں اور مولوی صاحب قبر سے جو عالم برزخ مراد لیتے ہیں تو اس بارے میں ہم پہلے با حوالہ لکھ آئے ہیں کہ یہ قبر بھی عالم برزخ کا حصہ ہے صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ قبر کو بھی برزک کہتے ہیں، اس لیے اس قبر میں عذاب وثواب بھی عالم برزک میں عذاب وثواب ہے۔

مولوی صاحب کے دلائل: قبر کی مراد میں جو کچھ مولوی صاحب نے کہا اس بارے میں مولوی صاحب کے دلائل یہ ہیں۔

<u>پہلی اور دوسری دلیل</u>: (۱) قرآن مجید میں ہے: ''ثم اماتہ فاقبرہ'' پھر اللہ نے اسے موت دی اور قبر دے دی، ظاہر ہے (عقل کے اندھوں کے سامنے ہی یہ ظاہر ہے کہ) انسان کو عرفی قبر نہیں ملتی، تو قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔

(۲) اس لیے فرعونیوں کو عذاب ہو رہا ہے جیسا کہ ابھی آیت میں گزر چکا ہے وہ عذاب قبر کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ (اعلان حق ص ۵۶، ۵۷)

<u>جواب</u>: اس دلیل کے ضمن میں مولوی صاحب کی دو دلیلیں ذکر ہوئیں:

(۱) ایک ثم اماتہ فاقبرہ کہ وفات کے بعد اللہ تعالیٰ قبر دیتا ہے اور پھر کہہ دیا کہ یہ زمینی قبر نہیں دیتا کوئی اور قبر دیتا ہے جس سے مراد عالم برزخ ہے، یہ مولوی صاحب کی اپنی من مانی تفسیر ہے اللہ کی مراد نہیں، مولوی صاحب

نے اللہ تعالیٰ پر غلط بیانی کرنے سے شرم نہیں کی، اللہ تعالیٰ اس آیت میں اپنے انعامات ذکر فرما رہے ہیں، ان انعامات میں سے انسان کو پیدا کرنا اس کو وجود دینا اور اعضاء درست بنانا اور وجود دے کر ماں کے پیٹ سے راستہ آسان کر کے باہر لانا اور ظاہر ہے کہ یہ سب انسان پر اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے انعام ہیں، پھر موت کا انعام ذکر فرمایا جو عام انسانوں کے لیے فناء ہونا یاد دلانے کے اعتبار سے انعام ہے جو عبرت کی نگاہوں والے کے لیے ذریعہ ہدایت بن سکتا ہے اور ہدایت انعام ہونے کی وجہ سے ذریعہ ہدایت چیز بھی انعام ہوئی، نیز فرماں بردار کے لیے موت تحفہ انعام ہے، پھر موت کے بعد قبر میں رکھوانے کا انعام ذکر فرمایا ظاہر ہے کہ یہ ایسا انعام ہونا چاہیے کہ جس پر یہ انعام ہوا وہ بھی اس کو پہنچانے حتی کہ کافر بھی پہنچانتا ہو کہ یہ کون سا انعام ہے؟ اور وہ مولوی امیر عبداللہ کی بیان کی ہوئی قبر ہو تو اس کو کافر تو کیا عام مؤمن بھی نہیں جانتا، تو آیت میں کونسی قبر مراد ہے؟

حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی مرنے کے بعد اس کی لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت کردی تا زندوں کے سامنے یونہی بے حرمت نہ ہو۔ (تفسیر عثانی ص ۷۶۲)

معلوم ہوا کہ یہاں قبر سے مراد وہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے میت کی لاش رکھنے کا حکم دیا ہے جو کہ قبرستان کی زمین کی قبر ہے۔

حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ای جعله ذا قبر توارى فيه جيفته تكرمة له ولم يجعله مطروحاً على الارض يستقذره من يراه وتقتمسه السباع والطير اذا ظفرت به كسائر الحيوان والمراد من جعله ذاقبر امره عز وجل بدفنه'' (روح المعانی ج ۳۰ ص ۵۰) یعنی انسان کو ایسی قبر والا بنایا جس میں اس کے اکرام کے لئے اس کی لاش چھپادی جاتی ہے اور یوں زمین پر نہیں ڈال دی جاتی کہ دیکھنے والا اس کو گندگی سمجھتا رہے اور درندے اور پرندے اس کو دوسرے جانوروں کی طرح چیر پھاڑ کر کھائیں، انسان کو قبر والا بنانے سے مراد اللہ تعالیٰ کا انسان کو دفن کرنے کا حکم دیتا ہے۔قیل معناه الهم كيف يدفن۔ (مفردات راغب ص ۳۹۱)

علماء کہتے ہیں کہ اقبرہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ انسان کو کیسے دفنایا جائے؟

اس سے خوب واضح ہوا کہ قبر میں رکھوانے سے مراد انسان کی لاش کو قبر میں دفنانے کا حکم کرتا ہے اور جس قبر میں دفن کا حکم فرمایا وہ زمین والی قبر ہے تو آیت میں قبر دفن گاہ کو فرمایا نہ کہ کسی اور جگہ کو، کیا مولوی صاحب کے مریدین کو اللہ تعالیٰ کا حکم کسی اور قبر میں میت دفنانے کا ہے؟

<u>دوسری دلیل</u>: (۲) فرعون وآل فرعون کے متعلق آیت کریمہ ہے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ پانی میں ڈوبے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آگ میں گئے اور انہیں قبر نہیں ملی تو انہیں جو قبر ملی وہی شرعی قبر ہے اور وہ جہنم کی آگ میں جاتا ہے، لیکن یہ دلیل غلط ہے، اس لئے کہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ جس آگ میں وہ گئے ہیں وہ برزخ کی آگ تھی جو اسی پانی میں تھی جس میں وہ ڈوبے تھے، اس پر علامہ ابن الانباری رحمہ اللہ کا شعر بھی ذکر کیا:

لا تعجبن لاضداد اذا اجتمعت فالله يجمع بين الماء والنار

جب کئی ضدیں اکٹھی ہوں تو اس پر تعجب نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی پانی اور آگ جمع کرتا ہے،

<u>تیسری دلیل</u>: (۳) لکھتے ہیں حدیث میں ہے ''القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر

النار۔" قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یعنی وہ نہیں جن کو تم بناتے ہو۔ (اعلان حق ص ۵۷)

جواب: لاحول ولاقوۃ الا باللہ یہاں مولوی صاحب نے نبی کریم ﷺ پر بھی غلط بیانی کرتے ہوئے حدیث میں تحریف معنوی کی اور مفہوم مخالف والی ڈنڈی ماری ہے، حدیث شریف کا مطلب تو یہ ہے کہ اس قبر کو جس میں تم دفن ہو گے اور اپنے مردے دفن کرتے ہو اس کو محض مٹی ہی نہ سمجھو، یہی قبر یا جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا، تمہاری مرضی اپنے اعمال سے جنت کا باغ بناؤ یا دوزخ کا گڑھا بنالو، اس سے زیادہ کچھ مطلب نہیں ہے اور قبر کے جنت کا باغ یا دوزخ کا گڑھا ہونے پر مولوی صاحب اور ان کی جماعت ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

علماء کے اقوال: اس کے بعد مولوی صاحب نے حضرات علماء کی عبارات سے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ قبر سے یہ گڑھا مراد نہیں ہے، جب مولوی صاحب کے پاس اس بارے میں کوئی ایک بھی نص قطعی الثبوت والدلالہ نہیں ہے اور عقیدہ کے باب میں علماء کے اقوال حجت ہی نہیں (کیونکہ مولوی صاحب کی بیان کی ہوئی قبر بھی عالم غیب ہے) تو یہ اقوال کچھ وزن نہیں رکھتے نص قطعی لائیے، دوسری بات یہ ہے کہ ان حضرات نے ان اقوال میں یہ بیان فرمایا ہے کہ صرف اس گڑھے میں قبر کا اطلاق منحصر نہ سمجھو بلکہ مرنے کے بعد اگر کسی کو اس قبر میں نہیں رکھا گیا وہ بھی جہاں ہے وہی اس کی قبر ہے، اس کو وہیں عذاب قبر ہو رہا ہوگا تم عذاب قبر کے لفظ کو دیکھ کر جب قبر اسی کو ہی سمجھو گے تو تمہیں شبہ ہوگا کہ وہ آدمی تو عذاب قبر کا شکار نہ ہوا جس کو قبر ہی نہ ملی تو سمجھو کہ جو اسی قبر میں دفن ہوا اس کی تو یہی قبر ہے اور جو یہاں دفن نہیں ہوا اس کی یہ قبر تو نہیں ہے مگر وہی قبر ہے جہاں اس کے جسم کے اجزاء موجود ہیں چاہے جس حالت میں بھی ہیں۔

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو شخص جہاں ہوگا اور جس کے ذرات جہاں ہوں گے وہی اس کی قبر ہے۔ (کشف الرحمان ص ۷۰۷ کا ضمیمہ)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ان تمام شبہات کا منشاء یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا ہے حالانکہ قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں بلکہ مراد عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے، اگر قبر میں دفن کر دیا وہی اس کا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال و جواب و عذاب و ثواب ہوگا اور اگر بھیڑیئے و شیر نے کھالیا اس کے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلا دیا تو جہاں جہاں اس کے اجزاء ہیں اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔ (مواعظ جزا و سزا۔ وعظ حیوۃ طیبہ ص ۸۵)

اس عبارت کو بار بار غور سے پڑھیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قبر کو بھی برزخ کہتے ہیں اور قبر میں دفن ہونے والے کے لئے سوال و جواب و عذاب و ثواب یہیں مانتے ہیں اور جسم کو بھی عذاب ہونا مانتے ہوئے اجزاء جسم بکھرے ہوئے ہونے کی حالت میں ان اجزاء تک عذاب کا اثر پہنچنا مانتے ہیں اور جس کو قبر نہیں ملی اس کے اجزاء جہاں ہیں اس کے لئے اس جگہ کو قبر اور برزخ مانتے ہیں اور ہر جزء تک عذاب پہنچنا مانتے ہیں اور مولوی صاحب اس سب کے منکر ہیں، فیاللاسف۔

اعلان حق کے دوسرے ایڈیشن میں مولوی صاحب نے مسئلہ وسیلہ بھی بیان کیا ہے، ہم نے اس کی بحث راہ حق میں کر دی ہے، ہدایہ وغیرہ میں لفظ بحق نبیك وغیرہ میں صرف لفظ بحق کا استعمال مکروہ کہا گیا اس کی کراہت کی وجہ بھی یہ تھی کہ معتزلہ اور روافض اللہ کے ذمہ حق واجب کرتے ہیں جب کہ اہل حق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ذمہ

کچھ واجب نہیں سب اس کا احسان ہے، چاہے وہ خود اپنے اوپر واجب کرلے، تو معتزلہ بھی سے حق واجب مراد لیتے ہیں تو ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے صرف اسی لفظ کو مکروہ کہا گیا، ورنہ بذات خود یہ لفظ بھی مکروہ نہیں کیونکہ ابن ماجہ میں بحق ممشای ھذہ موجود ہے، مستدرک، کنز العمال، در السحابہ وغیرہ میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے لئے دعا میں لفظ بحق نبیك و الانبیاء الذین قبلي (بسند جید) خود نبی کریم ﷺ نے فرمائے ہیں، تو آپ ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ بذات خود کیسے مکروہ ہو سکتے ہیں؟ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واکمل، اقول قولی ھذا و استغفر اللہ العظیم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ سیدنا ومولانا وشفیعنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

نبی کریم ﷺ کے لئے سماع سلام عند القبر: مولوی امیر عبد اللہ صاحب کی ایک چھٹی (رقعہ) ہمیں ملی تھی اس میں نبی کریم ﷺ کے عدم سماع عند القبر کے ثبوت کے لئے کچھ حوالوں کے اشارے دیئے تھے، اس کا جو جواب ہم نے دیا تھا وہ باتیں اوپر کی بحثوں میں آچکی ہیں انہیں ہم نہیں دہراتے البتہ اس کا کچھ حصہ ذکر کرنا مفید ہے وہ درج ذیل ہے)

(۱) نبی کریم ﷺ جب عالم ارواح میں تھے تو ممتاز تھے اور جب ماں کے پیٹ میں آئے تو کیفیات کے اعتبار سے بھی ممتاز اور جب اس دنیا میں آئے تو بچپن، جوانی، بڑی عمر غرض زندگی کے ہر لحہ میں خصوصیات اور کیفیات تک میں ممتاز تھے، ارشاد فرمایا تھا ایکم مثلی تم میں سے کون میرے مثل ہو سکتا ہے؟ دوسروں سے آپ کا فرق صرف باطنی اور روحانی خصوصیات کا نہیں تھا بلکہ جسمانی ظاہری طور پر بھی تھا، تو عالم برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد کیا زندگی کے اعتبار سے محض ظاہری طور پر ہی آپ ﷺ میں اور عام آدمی میں فرق ہوگا کہ وہ بھی مثلاً جنت میں اور آپ ﷺ بھی جنت میں اور صرف درجہ میں تو فرق ہوگا اور کیفیات میں کچھ فرق نہیں ہوگا؟ یا آپ ﷺ کو کسی بھی عالم میں دوسروں کے برابر سمجھنا اور فرق نہ کرنا گستاخی ہے، عشق رسول ﷺ سے خالی ہونے یا کم از کم محبت کم ہونے کی علامت ہے۔

(۲) جو خصوصیت اور کمال کسی عام انسان یا ادنیٰ نبی میں ہو بشرطیکہ اس کے اسی شخص میں منحصر ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو تو وہ خصوصیت سب سے بڑھ کر بدرجہ اتم نبی کریم ﷺ میں ہوگی۔

(۳) کسی میں کوئی خصوصیت اور فضیلت ہو اس میں اس فضیلت کا انکار اس کی شان وفضیلت کو کم کرنا یعنی تنقیص کہلاتا ہے جو بے ادبی ہے۔

ان باتوں میں غور کرنے کے بعد اب سمجھیں سماع فضیلت (زائد چیز) ہے اور عدم سماع کمی ہے فضیلت نہیں ہے، تو جب احادیث میں اور اقوال علماء میں سماع انبیاء علیہم السلام عند القبر کی تصریح ہے تو ان احادیث اور اقوال علماء کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے سماع کی فضیلت کا انکار کر کے عدم سماع کی کمی مان کر کیوں نبی کریم ﷺ کا درجہ کم کیا جائے؟ اور کیا اسی کا نام تنقیص اور گستاخی نہیں ہوگا؟

اب علماء کی چند تصریحات ملاحظہ کریں:

(۱) فانہ یسمعھا ای اذا کانت بالقرب منہ، آپ ﷺ درود شریف سنتے ہیں جب قریب سے ہو۔
(حاشیۃ الطحطاوی ص ۴۶۷ قدیمی کتب خانہ)

(۲) فانہ یسمعھا۔ (مراقی الفلاح ص ۱۹۲، نور الایضاح ص ۱۸۸ قدیمی کتب خانہ)

(۳) یسمع کلامہ آپ ﷺ زیارت کرنے والے کا کلام سنتے ہیں۔

(فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۲ طبع لکھنو بحوالہ الاعتبار)

(۴) سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ قرین قیاس ہے۔ (جمال قاسمی ص ۱۶ طبع اٹک مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۵) حدیثوں میں صلاۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے۔ (مواعظ میلاد النبی ص ۷۳ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سلام سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ اور جواب دینا یہ تو دائما ثابت ہے۔ (نشر الطیب ص ۲۱۲)

(۶) یصلی في قبرہ ویرد سلام من سلم آپ ﷺ قبر میں نماز بھی پڑھتے ہیں اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ (الروح ص ۶۴ طبع بیروت علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ)

(۷) محققا انہ یسمع کلامہ زیارت کرنے والا یہ یقین کرے کہ آپ ﷺ اس کی کلام سن رہے ہیں۔

(القول البدیع ص ۲۱۳ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۸) حضور اقدس ﷺ کے خود سننے میں کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

(فضائل درود شریف ص ۴۳ طبع بیروت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ)

(۹) لو سلم علیہ احد رد علیہ السلام لوجود الحیاۃ جو آپ ﷺ پر سلام عرض کرے آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں کیونکہ حیات موجود ہے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۵۵ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۰) میت کا اس سلام کو جو قبر کے نزدیک ہو سننا اور اس کا جواب دینا کوئی میت ہو ادلہ واضحہ سے ثابت ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا اس سلام کو جو آپ ﷺ کی قبر کے پاس ہو سننا اور اس کا جواب دینا بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ (السعی المشکور ص ۲۷۶ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ طبع مکتبہ شوکت اسلام لکھنو ۱۳۱۰ھ)

(۱۱) روضہ اقدس کے سامنے الفاظ خطاب کے ساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے کیونکہ وہاں براہ راست حضور ﷺ کا سلام سننا اور جواب دینا روایات حدیث سے ثابت ہے۔

(جواہر الفقہ ج ۱ ص ۲۱۵ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۲) فھي دائماً تعرض علیہ بواسطۃ الملک الاعند روضۃ فیسمعھا بحضرتہ ہمیشہ آپ ﷺ کی خدمت میں درود شریف فرشتہ کے ذریعہ پیش ہوتا ہے مگر روضہ مبارکہ پر حاضری کے وقت آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔

(بذل المجہود ج ۲ ص ۲۹۷ مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۳) جو وہاں جا کر (درود) بھیجتا ہے تو بلا واسطہ حضرت ﷺ سنتے ہیں۔

(مظاہر حق ج ۱ ص ۳۲۲ طبع قدیم لکھنو مولانا نواب قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۴) اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتا ہے اس کو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۱۵۳ مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۵) انبیاء کی زندگی اتنی قوی ہے کہ اس کا اثر اس عالم میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً ان کی ارواح کا جسم کے ساتھ قائم رہنا قبر پر جا کر سلام کرنے والے کے سلام کو سننا اور اس کا جواب دینا۔

(تفسیر کشف الرحمن ج ۱ ضمیمہ ص ۱۱۴ مولانا سعید احمد دہلوی مصدقہ مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۶) مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۶۰، ۱۱۲ دستخط مولانا گنگوہی)

(۱۷) فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلاۃ وسلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ طبع دارالاشاعت کراچی)

(۱۸) وهو لا يسمع السلام من القبر و تبلغه الملائكة الصلاة و السلام من البعد قبر کے پاس سے آپ ﷺ سلام سنتے ہیں اور دور سے صلاۃ وسلام فرشتے پہنچاتے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۲۳۰ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۹) و اما الادراكات كالعلم و السماع فلا شك ان ذالك ثابت و سنذكر بتوبة لسائر الموتى فكيف بالانبياء علیہم السلام (شفاء السقام ص ۲۱۳، علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ) لیکن ادراکات جیسے جان لینا اور سننا تو کوئی شک نہیں کہ یہ ثابت ہے اور عنقریب ہم اس کا ثبوت سب مردوں کے لیے ذکر کریں گے تو انبیاء علیہم السلام کے لیے کیسے ثابت نہیں؟

(۲۰) لان ارواح الانبياء بعد مفارقة البدن في الرفيق الأعلى ولها اشراف على البدن تعلق به يتمكنون من التصرف و التقرب بحيث يرد السلام على المسلم و بهذا التعلق راه يصلي في قبره و راه في السماء... كما ان نبينا بالرفيق الاعلى و بدنه في ضريحه يرد السلام على من سلم عليه۔

(فیض القدیر ج ۵ ص ۶۷۵، ۶۷۴ علامہ عبدالروف مناوی رحمۃ اللہ علیہ)

کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی روحیں بدنوں سے الگ ہونے کے بعد رفیق اعلیٰ میں ہیں اور ان کا جسم پر پرتو ہے اور ایسا تعلق ہے جس سے تصرف کی اور ایسے تقرب کی طاقت رکھتی ہیں کہ سلام کرنے والے کو جواب دیتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے اور آسمان میں بھی دیکھا ہے، جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ رفیق اعلیٰ میں ہیں اور بدن مبارک قبر اطہر میں ہے سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اکابر کی ان صاف عبارات سے عند القبر سماع کی صراحت ہے، کیا ایسی ہی صریح عبارت کسی ایک مسلم بزرگ کی پیش کی جاسکتی ہے، چیلنج ہے؟ حلفیہ کہا جاتا ہے کہ مولوی امیر عبداللہ ساٹھ صفحات (اور اب دوسرا ایڈیشن ۹۰ صفحات) کا رسالہ لکھ کر بھی ایسی صریح عبارت پیش نہیں کر سکے اور نہ ان شاء اللہ پیش ہو سکے گی، جو عبارات یہ پیش کرتے ہیں ان میں نہ عند القبر کی صراحت ہوتی ہے نہ نبی یا انبیاء کا لفظ ہوتا ہے، نہ سننے کی نفی ہوتی ہے یا تو عام مردوں کی بات ہوتی ہے یا دور کی بات ہوتی ہے اور جناب کی چٹھی میں اور رسالہ میں بھی یہی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ان قیودات کے ساتھ ایک حوالہ پیش کیجئے اور انعام لیجئے؟

